



let's start

A small blue icon of an open book with white pages.

پی آئی بی کالونی

باب 1 - نہ ختم ہونے والا راستہ

بوا کی خشک سرسرابٹ
شو-ششش

رات کے اندهیروں میں ایک عجیب سا بوجہ تھا۔
کالی گھنی بدھیوں نے چاندنی کو نگل رکھا تھا
گویا آسمان پر کوئی سیاہ چادر تنی بو۔

باسم کے بوٹ کچّی سڑک پر رگڑ کھا رے تھے
بر قدم کی آواز حد سے زیادہ گونج رہی تھی۔
گاؤں کے بازار سے شام کو تھوڑا سامان لینے نکلا تھا
سوچا تھا تھوڑی دیر میں واپس گھر پہنچ جاؤں گا۔
لیکن آج
یہ راستہ ختم ہی نہیں بو ربا تھا۔

کڑچ... کڑچ... کڑچ

اس کے اپنے قدموں کی چاپ بی واحد آواز تھی۔
نہ جھینگر کی ٹر ٹر
نہ کتوں کے بھونکنے کی گونج۔
بس ٹھنڈی بوا کی بلکی سرسراپٹ جو خشک درختوں کو چھو ریں تھی۔

باشم رکا۔

چوبیس سالہ مضبوط جسم
، چھ فٹ کا قد، چوڑے کندھے
بازار کی سبزیاں والا تھیلا باتھ میں تھامے وہ پریشان نظرؤں سے اندھیرے کو دیکھنے لگا۔
گاؤں کی بتیاں اب تک نظر آ جانی چاپیں تھیں۔
لیکن وہ تقریباً چالیس منٹ سے چل رہا تھا
اور سڑک اب بھی ویسی بن تھی
لمبیں، سیدھیں اور ختم نہ بونے والی۔

”ابھی... ابھی پہنچتا بون گھر“
اس نے بلکی سس جھنجھلابت سے بڑا
سانس ٹھنڈی بوا میں دھند کی طرح اڑ رہی تھی۔
یہ راستہ لمبا کیوں بوتا جا رہا ہے؟

...کڑج... کڑج

سڑک کے دونوں طرف کے درخت جیسے اندر کی طرف جھکنے لگے
ان کی ٹیڑھی شاخیں آپس میں جڑ کر آسمان کو ڈھانپ رہی تھیں۔
باشم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
اس نے تھیلے کا پٹھ مضبوط سے پکڑا
بازوؤں کی پٹھیاں بلکی روشنی میں ابھر آئیں۔

—پھر
...ٹک... ٹک

ایک مدهم کھٹکھٹانے کی آواز۔
درختوں کے پیچھے کہیں سے آ رہی تھی
آپستہ، مگر بالکل واضح
جیسے کوئی نامعلوم دروازہ بجا رہا ہو۔

باشم ساکت ہو گیا۔
آواز بھی فوراً رک گئی۔
خاموشی نے پھر سب کچھ ڈھانپ لیا۔

کون ہے؟ ”اس کی بھاری آواز گونجی“
مگر رات کے اندھیرے نے فوراً نگل لی۔
کوئی جواب نہیں۔

بس بوا کی کھوکھلی سیٹی۔

اس نے گھری سانس لی اور قدم تیز کر دیے۔
بُوٹوں کی رکڑا بے قابو سی لگ رہی تھی۔
مگر جتنا چلتا گیا
سڑک ویں رہی
ٹیڑھی میڑھی کچھی راہ
جس کے دونوں طرف سیاہ درخت اپنی لمبی سیاہ شاخیں پھیلائے کھڑے تھے۔

—شُو—شششش
بوا اچانک ٹھنڈی ہو گئی۔
سبزیوں کا تھیلا باتھ میں وزنی لگنے لگا
جیسے کوئی ان دیکھی طاقت اسے نیچے کھینچ رہی ہو۔

باشم کے گلے میں بلکی سس گھبراپٹ اتر آئی۔
وہ مضبوط تھا
ما فوق الفطرت باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا
لیکن اب دل کے اندر کہیں گھری جگہ ایک پرانا خوف جاگ اٹھا تھا۔

دور ایک مدهم روشنی ٹھیکانے۔
چاندنی جیسی نہیں
بلکہ بلکی نیلی سی چمک
جیسے پانی پر جھلملاتی روشنی۔

”آخر کار“
ایک لمبے کو اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے۔
مگر جیسے بی قریب پہنچا
اسے احساس ہوا کہ یہ روشنی کسی گھر کی نہیں
بلکہ ایک تنگ جنگلی پگڈنڈی کی یہ
ایسی پگڈنڈی جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

—اس راستے کی فضا مختلف تھی
ٹھنڈی، نم اور گیلی مٹی کی مہک سے بھری۔
درختوں کے اندر کھیں سے ایک مدهم گونج سنائی دئے رہی تھی
ایسی جو آواز کم اور جسم میں اترتی لرزش زیادہ لگے۔

باشم رکا۔
پیچھے کا راستہ نہ ختم ہونے والے اندھیرے میں غائب تھا۔
آگے یہ جنگل کی سانپ جیسی بل کھاتی راہ
اپنی ٹھنڈی سانس کے ساتھ اسے اندر بلانے لگے۔

...ٹک ...ٹک ...ٹک
کھٹکھٹابٹ پھر ابھری۔
اب کے بار بہت قریب۔
بالکل اس کے پیچھے۔

—باشم نے چونک کر مڑ کر دیکھا
پیچھے سناؤ۔
نه کوئی انسان
نه کوئی جانور
بس درختوں کی مدهم جنبش۔

دل نے کہا بھاگ جاؤ
لیکن ایک اور انجانی طاقت نے
اسے جنگلی راستے کی طرف کھینچ لیا۔

اس نے تھیلے کا پٹھ مضبوط کیا
گھری سانس لی
اور پگڈنڈی پر قدم رکھ دیا۔

جنگل نے اسے اپنے اندر سمو لیا۔

شو۔ششش
پتے اس کے کندھوں کو چھوٹے گزر لے تھے۔
گونج اب زیادہ تیز تھی

ایسی جیسے زمین کے اندر سے کوئی کمزور دھڑکن اُبھر رہی بو۔
راستہ ٹیڑھا میڑھا تھا

جڑیں سیاہ سانپوں کی طرح مٹی سے باہر نکلی تھیں۔

کب منٹ گزرے، کب گھنٹے
وقت اپنی پہچان کھو بیٹھا۔

پھر دھند کے پیچھے سے
روشنی جھلملائی۔

یہ لیمپ کی زرد روشنی تھی
ایسی جیسے کسی آباد بستی کی۔

دھند کے کنارے مکانوں کے خدوخال اُبھرے
پرانے گھر،
کچھ کے رنگ اکھڑے بوئے
کچھ کی کھڑکیاں دیز پردون سے ڈھکی۔

یہاں ایک کالونی تھی۔
گھرے جنگل کے بیچ چھپیں بوئی۔

ہاشم کی سانس رک گئی۔
یہ جگھے... جیتنی جاگتی لگ رہی تھی۔
کھریں دور برتوں کی مدهم کھڑکھڑا بٹ
دھیمی سرگوشیوں جیسے مکالمے
پرانے لکڑی کے دروازوں کی چرچڑا بٹ سنائی دے رہی تھی۔

ایک ٹوٹا ہوا بورڈ جھکے بوئے دیوار کے سہارے رکھا تھا۔
پینٹ اکھڑ چکا تھا
مگر مدهم روشنی میں کچھ حروف صاف جھلک رہے تھے

"پی آئی بی کالونی"

کھٹکھٹانے کی آواز یکدم غائب ہو گئی۔
گونج تھم گئی۔
بس لیمپوں کی بلکی بھنبھنا بٹ باقی رہی۔

ہاشم نے بچکچاتے بوئے ایک قدم آگے بڑھایا۔
جیسے بی اس کا بوٹ کالونی کی ٹوٹی اینٹوں والی زمین پر پڑا
— بر لیمپ نے اچانک جھپک کر بجھ جانا شروع کر دیا
—! زرززک
اور گمرا اندهیرا چھا گیا۔

...ٹک... ٹک... ٹک
اس بار کھٹکھٹانے کی آواز کالونی کے اندر سے آئی۔
سست،
سوچی سمجھیں

یوں جیسے بر گھر کے دروازے پر
ایک ساتھ کوئی دستک دے رہا ہو۔

باشم پتھر کی طرح جم گیا۔
اس کی نیلی آنکھوں میں بجهتی لائٹوں کی بلکی جھلک باقی تھی۔

اندھیرے کے بیچ
کہیں دور ایک نرم، مگر انسانی سی آواز ابھری

”...گھر میں خوش آمدید“

باب دوم - پہلی رات

...بوا کا سناؤنا

کڑکڑا بیٹ

بلکی سی بھنبھنا بیٹ

باشم کے قدم دھیرے دھیرے کالونی کی خالی گلی میں پڑ رہے تھے۔
بر قدم کے ساتھ دھند اس کے ارد گرد گھری بوتی جا رہی تھی

جیسے رات نے سانس روک رکھی ہو۔

بر طرف پرانے مکانوں کی قطاریں تھیں

کچھ کے دروازے ٹوٹے ہوئے

کچھ کی کھڑکیاں اندر سے بند

اور بر مکان کے اوپر ٹمٹماتی پیلی لائٹیں جو بجهتے بجهتے

مدھم سا اندھیرا پھیلا رہی تھیں۔

باشم نے نظریں دوڑائیں۔

کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا

مگر کہیں نہ کہیں زندگی کی بلکی سی سرگوشی محسوس ہو رہی تھی۔

پانی ٹپکنے کی مددھم آواز

کہیں دور لکڑی کے تختے کے چرچرانے کی بلکی کھڑک

کڑچ... کڑچ

اچانک اس کے بائیں جانب کی گلی میں کوئی قدموں کی آواز گونجی۔

وہ چونک کر رکا۔

کون یہ؟ ”اس کی آواز خالی مکانوں کے بیچ گونجی اور واپس لوٹ آئی۔“

چند لمحے بعد

دھند میں سے تین سایے ابھرے۔

ایک درمیانی عمر کا مرد

اس کے ساتھ ایک دبلي پتلی عورت اور ایک کم عمر لڑکی۔

مرد کے باطھ میں ٹمٹماتی لالثین تھی

روشنی ان کے چہروں کو نیم روشن کر رہی تھی۔

تم... کون بو؟" مرد نے دھیمی مگر سخت آواز میں پوچھا۔
باشم نے جھجکتے ہوئے بتایا
”میں... گاؤں کا ریائشی ہوں۔ جنگل سے یہ راستہ ملا تھا... میں راستہ بھٹک گیا تھا۔“

مرد کی آنکھیں تیز بو گئیں۔
”کیا تمہیں پتا ہے کہ سورج ڈوب چکا ہے؟“

باشم نے حیرانی سے سر بلایا۔
”ہاں، مگر“

مرد نے اس کی بات کاٹی۔
تو پھر جلدی سے ہمارے ساتھ چلو۔“
”! یہاں رات کو باپر رینا... خودکشی ہے

باشم کے جسم میں ایک عجیب سا سنناً اتر گیا۔
اس نے سوال کرنے کی کوشش کی مگر
مرد نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا۔

وہ سب ایک پرانے مگر مضبوط مکان کے اندر داخل ہوئے۔
دروازہ بند کرتے ہی مرد نے
ایک بھاری لوئے کی سلا کھینچ کر گُنڈی لگا دی۔
عورت نے فوراً کھڑکیوں کے پٹ بند کر دیے۔

باشم حیرت سے سب دیکھتا رہا۔
”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

مرد نے گھری سانس لی۔
میرا نام شفیق ہے، یہ میری بیوی سائزہ اور بیٹھی ہادیہ ہے۔“
یہ جگہ... پی آئی بی کالونی ہے۔
”اور اب تم... اس کے قیدی ہو۔“

باشم کے دل کی دھڑکن تیز بو گئی۔
”قیدی؟ مطلب؟“

سائزہ نے دھیمی آواز میں کہا
”... یہاں ایک قانون ہے۔“
رات کو کوئی بھی انسان گھر سے باپر نہیں نکل سکتا۔
”... ورنہ“
”... ورنہ“
اس کی آنکھوں میں خوف تیرنے لگا۔

”ورنہ کیا؟“ باشم نے کانپتی آواز میں پوچھا۔“

شفیق نے دھنڈلے شیشے کی طرف اشارہ کیا۔
”... ورنہ وہ آجائے بیں“

”... ٹک... ٹک... ٹک“

دروازہ پر اچانک کھٹکھٹاپٹ گونجی۔
ایسی کھٹکھٹاپٹ جیسے کوئی دھیرے دھیرے
انگلیوں کے پوروں سے لکڑی پر دستک دے رہا ہو۔

باشم کے رگ و یے میں بجلی سی دوڑ گئی۔
سائز نے فوراً لالٹین کی روشنی بلکی کر دی
بادیہ مان کی گود میں سمت گئی۔

خاموش رہو! ”شفیق نے سرگوشی کی۔“
”جو بھی سنو... جواب مت دینا۔“

...ٹک...ٹک
کھٹکھٹاپٹ تھم گئی۔
چند لمھوں کی خاموشی کے بعد
ایک نرم، میٹھی سی عورت کی آواز آئی

شفیق بھائی... دروازہ کھولو نا۔“
میں زینت ہوں... یاد ہے نا؟
”...بارش میں بھیگ گئی ہوں... صرف ایک لمھے کے لیے اندر آئے دو

باشم نے چونک کر شفیق کی طرف دیکھا۔
”یہ تو... انسان لگ رہا ہے“

شفیق کے چہرے پر سختی آ گئی۔
یہ انسان نہیں۔
یہ وہ ہیں... جو بماری شکلیں اور آوازیں لیتے ہیں۔
”دروازہ کھولو گے تو... موت ہے۔“

باشم کے حلق میں سانس اٹک گئی۔
— باپر وہی میٹھی آواز بار بار پکارتی رہی

”...دروازہ کھولو... تھوڑی دیر کے لیے“

پھر اچانک آواز ٹوٹی
— اور ایک خوفناک گرج میں بدل گئی

— کککک—ررررر—ررررر

دروازہ کے پٹ لرزے لگے
، کھڑکیاں بلنے لگیں
گویا کوئی نہ دکھائی دینے والی طاقت
پوری قوت سے حملہ کر رہی ہو۔

باشم کے کان سنسنا اٹھے۔
سائز نے بادیہ کو مضبوطی سے گود میں دبا لیا۔
شفیق نے دونوں باتھوں سے دروازہ کی کُنڈی تھام لی۔

پھر جیسے اچانک کوئی سوچ آف بو گیا بو
سب کچھ خاموش۔
نہ آواز، نہ جنبش۔

صرف باشم کا دھڑکتا بوا دل
جس کی دھڑکن کمرے کی دیواروں سے ٹکرا ری تھی۔

شفیق نے گھری سانس لی۔
اب تم سمجھ گئے ہوگے۔
یہی وجہ یے کہ رات کو دروازہ نہیں کھلتا۔
...یہ مخلوق انسان نہیں
لیکن بماری پر کمزوری جانتی ہے۔
...یہ ہمیں بلا تی ہے، بہلاتی ہے
”اور پھر پھاڑ کھاتی ہے۔

باشم خاموش بیٹھ گیا۔
اس کے ذہن میں گاؤں کا سیدھا سا سفر
ایک خوفناک بھول بھلیوں میں بدل چکا تھا۔

رات ابھی باقی تھی۔
کھڑکیوں کے پار اندھیرا
ایک زندہ وجود کی طرح حرکت کر رہا تھا۔
اور باشم کو یہ احساس ہو رہا تھا
...کہ اس کی یہ پہلی رات
محض آغاز ہے۔

باب 3 - باشم کی ضد

ہوا میں نمی کی ایک عجیب سی بوجھل مہک گھل چکی تھی۔
کالونی کی گلیاں کالی سیاہی کی طرح گھری اور خاموش تھیں۔ PIB رات کے سارے نوجہے نو بج رے تھے۔
کہیں کہیں پرانے لکڑی کے درختوں کی شاخیں بلکی بوا کے جھونکوں سے چرچر کر رہی تھیں
جیسے کوئی بہت پرانا راز سرگوشیوں میں بیان کر رہا ہو۔

باشم ایک ٹوٹی کرسی پر بیٹھا اپنی بھاری سانسوں کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔
کچھ بی دیر پہلے اُس نے ایک ایسے خواب سے آنکھ کھولی تھی
جو خواب نہیں بلکہ ایک ناقابل برداشت حقیقت لگ رہا تھا۔
اُس خواب میں وہ جنگل کے راستے پر دوڑ رہا تھا
اور پیچھے سے کسی کے پنسنے کی آواز بار بار گونج رہی تھی۔
وہ آواز نہ مردانہ تھی نہ زنانہ
بلکہ کسی نامعلوم مخلوق کی تھی
جس کے بر قہقہے کے ساتھ زمین بلتنی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

کمرے کے کونے میں بیٹھا کریم چاچا (وہی بوڑھا شخص جو باشم کو پہلی رات بچا کر لایا تھا)
باشم کو گھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں تھکن کے ساتھ ایک عجیب سا خوف بھی چھپا تھا۔

کریم چاچا (آبستہ لمحے میں)

...میں نے تمہیں کہا تھا"

رات کو باپر نہ جانا۔

"یہاں قاعدے توڑنے والوں کو یہ جگہ نہیں چھوڑتی۔

باشم نے اپنے نیلے آنکھوں کو سکیڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔
پسینے کے قطرے اب بھی اُس کی پیشانی پر چمک رہے تھے۔

باشم (تیز لمحے میں)

میں نے تو بس دیکھنا چاہا تھا۔"

یہ سب کہانیاں... یہ سب ڈرامہ لگتا ہے۔

"کیا واقعی کوئی مخلوق ہے جو دروازہ کھٹکھٹا کر لوگوں کو بلا تی ہے؟

کریم چاچا کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے چمک آئی
پھر وہ گھری سانس لے کر بولا

بیٹھے، بم میں سے برا ایک نے یہاں کسی نہ کسی کو کھوایا ہے۔"

یہ مخلوق انسان کی طرح بات کرتی ہے

تمہارے پیاروں کی آواز میں۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ کتنی چالاک ہیں۔

باشم کرسی سے اٹھا اور کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا بوگیا۔

کھڑکی کے پڑے رات کا اندر ہیرا کس بوجھل دھند کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

دور کھیں سے کتے کے بھونکنے کی مددم آواز آ ری تھی

جو اچانک بن خاموش بوگئی۔

پھر ایک پل کے لیے پوری گلی میں ایسا سکوت چھا گیا
جیسے دنیا نے سانس روک لی ہو۔

اسی لمحے دروازے پر بلکی سی دستک ہوئی

...ٹُک...ٹُک...ٹُک

باشم کا دل زور سے دھڑکا۔

کریم چاچا تیزی سے اٹھا اور دروازے کے قریب پہنچ کر سرگوشی میں بولا

پیچھے بٹ جاؤ۔"

"یہ وہ نہیں جسے تم سمجھ رہے ہو۔

مگر باشم کے دل میں ضد کا ایک شعلہ بھڑک چکا تھا۔

وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس سچائی کے پیچھے کیا چھپا ہے۔

دستک ایک بار پھر بوئی

اب کی بار پہلے سے ذرا سخت۔

...ٹُک...ٹُک...ٹُک

پھر ایک مانوس آواز سنائی دی

:ایک جوان عورت کی نرم سی صدا

"باشم... بیٹا... دروازہ کھولو"
"میں ہوں... تمہاری ماں۔"

باشم کے قدم خود بخود دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔
سانس رکنے لگی
آواز اتنی جانی پہچانی تھی کہ
ایک پل کے لیے اُس کے ذبن نے خوف کو بالکل بھلا دیا۔
یہ کیسے ممکن ہے؟
ماں تو شہر کے اُس پار تھی
یہاں کیسے آ سکتی تھی؟

کریم چاچا نے ایک جھٹکے سے باشم کا بازو پکڑ لیا۔
"یہ وہ نہیں ہے"
"یہ آواز تمہیں منے پر مجبور کرے گی

باشم نے اپنا باتھ چھڑائے کی کوشش کی
مگر چاچا کی گرفت لوٹ کی طرح مضبوط تھی۔
دستک اب زور زور سے ہونے لگی۔
...ٹک...ٹک...ٹک
اور پھر آواز بدل گئی
پہلے ایک بلکی بنسی
پھر ایک گھٹتی بڑھتی غرابٹ
جیسے کوئی گھرے کنوین میں سے بنس رہا ہو۔

باشم کے وجود میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔
کھڑکی کے شیشے بلکے بلکے کانپنے لگے۔
چراغ کی لو کانپ کر چھوٹی ہو گئی۔
کریم چاچا نے جلدی سے چراغ بجھا دیا
اور باشم کے کان میں سرگوشی کی
...یہ روشنی کو محسوس کرتے بیں"
"خاموش رہو۔ سانس بھی نہ لو۔

کمرے میں اندهیرا چھا گیا۔
صرف باہر سے آتی ہوا کا شور اور
اس کے ساتھ ایک کھنک سی بنسی
اندهیرے کو چیرتی بھئی اندر گھس رہی تھی۔

...پھر اچانک
ساری آوازیں تھم گئیں۔
ایسا لگا جیسے کوئی وجود دروازے کے بالکل پیچھے کھڑا
سانس لے رہا ہو۔
باشم کے دل کی دھڑکنیں اتنی زور سے بج رہی تھیں
کہ اُسے لگا مخلوق اُس کی دھڑکن سن لے گی۔

ایک لمبا لمھہ گزرا
پھر وہ موجودگی آبستہ پیچھے بٹنے لگی۔
زمین پر کس کے ناخن رکڑے کی کھڑکھڑا بٹ
دور جاتی قدموں کی گھسٹ گھسٹ
اور پھر مکمل سکوت۔

کافی دیر بعد کریم چاچا نے چراغ جلایا۔
اُس کی آنکھوں میں پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"دیکھا؟"

یہ تمہیں تمہارے سب سے قریبیں رشتے کی آواز میں بلاتے ہیں۔
یہیں ان کا بتھیار ہے۔
...اگر تم نے ذرا بھی بچکچا بٹ دکھائی تو
"تمہارا انجام باقیوں جیسا بوگا۔

باشم نے گھری سانس لی
مگر اُس کی ضد اب بھی ٹوٹنے کو تیار نہ تھی۔
اس کے دماغ میں ایک بی بات گونج رہی تھی
آخر یہ مخلوق بیس کیا؟
اور یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟

اسے احساس تھا کہ اگر حقیقت جاننی ہے
تو قاعدے توڑنے کا خطرہ لینا پڑے گا۔
لیکن ابھی نہیں
کم از کم آج کی رات نہیں۔

باب 4 - نئی صبح، نئے چہرے

صبح کی پہلی کرن جب پرانے درختوں کی شاخوں سے چھن کر اندر آئی، تو باشم نے ایک اجنبی سی خاموشی کو محسوس کیا۔

رات کے بھیانک سنائی کے بعد یہ خاموشی کسی نعمت جیسی لگنی چاہیے تھی
مگر اس میں ایک ایسا ڈر چھپا تھا جو ہر سانس کے ساتھ اندر تک اتر رہا تھا۔

باشم آبستہ آبستہ بستر سے اٹھا۔
کمرے کی لکڑی کی فرش سے قدموں کی چرچرا بٹ بلند ہوئی تو اسے لگا جیسے برآواز باہر کی مخلوقات کو سنائی دے سکتی ہے۔

کریم چاچا پہلے بن جاگ چکے تھے۔ وہ ایک پرانی لکڑی کی ٹیبل پر بیٹھے ٹوٹے ہوئے پیالے میں دودھ ڈال رہے تھے۔

رات ٹھیک گزی؟" چاچا نے پوچھا، مگر اُن کی نظریں ابھی تک کھڑکی کی سمت جمی رہیں۔"
باشم نے گردن ہلائی مگر جواب نہ دیا۔

ذین میں اب بھی وہ بنسی، وہ دستک اور اپنی ماں کی آواز گونج رہی تھی۔

کریم چاچا نے آبستہ سے کہا
آج دن کا وقت یہ، باہر چلو۔"

تمہیں باقی لوگوں سے ملنا چاہیے۔
”یہاں زندہ رہنے کے لئے اکیلے پن سے لڑنا سب سے بڑا امتحان ہے۔

باشم نے سر بلایا۔
دل میں تجسس تھا کہ یہ لوگ کون بیس جو اس قید میں برسوں سے جی رہے بیس۔
کیا سب کے اپنے راز بیس؟
کیا سب نے اپنی آنکھوں سے وہ مخلوقات دیکھی بیس؟

دن کی گلیاں ☀

دروازہ کھولتے ہی باشم کی آنکھیں چندھیا گئیں۔
دن کی روشنی میں یہ کالونی کسی اور ہی دنیا کا منظر پیش کر رہی تھی۔
، جھاڑیوں میں الجھی پرانی سڑکیں
، دیواروں پر لٹکی بیلیں
— پھٹی پرانی کھڑکیاں
سب کچھ ایک عجیب وقت میں قید سا لگ رہا تھا۔

ہوا میں جنگل کی نمی اور زنگ آلود دھات کی بُو ملی بُوئی تھی۔
، پچیس سے تیس گھروں پر مشتمل یہ بستی سنسان تھی
لیکن کچھ فاصلے پر بچوں کی مددھم ہنسی سنائی دے رہی تھی۔

پہلی ملاقات 💬

ایک کشادہ صحن میں کچھ لوگ اکٹھے بیٹھے تھے۔
کریم چاچا نے باشم کا تعارف کرایا۔

سلمنی بی بی: تقریباً پینتالیس سال کی ایک سخت مگر مہربان عورت۔ •
ان کی آنکھوں میں ایسیں تھکن تھیں جیسے صدیوں سے نیند نہ کی بو۔
وہ دو چھوٹے بچوں، علی (9 سال) اور مریم (6 سال) کے ساتھ یہاں رہتی تھیں۔
کہا جاتا تھا کہ وہ پچھلے دس سال سے یہاں قید ہیں۔

جاوید: ایک دبلا پتلہ، لمبا نوجوان۔ •
عمر بائیس سال۔

چہرے پر ایک مستقل خوف کی جھلک۔
اس نے بتایا کہ وہ اپنی منگیتر کے ساتھ یہاں آیا تھا
لیکن پہلی بی بفتے میں اُس کی منگیتر کو مخلوق کھا گئی۔

بشری آٹھی اور ناصر انکل: میان بیوی۔ •
دونوں تقریباً پچپن سال کے۔

ناصر انکل کا ایک باتھ نہیں تھا
وہ دعوی کرتے تھے کہ ایک رات مخلوق نے دروازہ کھولنے پر اُن پر حملہ کیا
اور وہ مشکل سے بچ سکے۔

باشم نے بد چہرے میں ایک بی چیز دیکھی
انتظار۔

ایسا انتظار جس کا کوئی انجام نہیں
جیسے یہ سب لوگ کسی ان دیکھی صبح کا انتظار کر رہے ہوں
جو کبھی نہیں آتی۔

سلمن بی بی نے دھیرے دھیرے بات شروع کی
یہاں دن میں سب کچھ عام لگتا ہے۔
پر رات... رات ان کا وقت ہے۔
یہ جگہ کس بدعا کی طرح ہے۔
بم سب مختلف دنوں میں یہاں پہنچے
لیکن جانے کا راستہ کس کو نہیں ملا۔

باشم نے یے ساختہ پوچھا
"کیا کبھی کس نے یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی؟"

جاوید کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔
کوشش کی تھی۔
کچھ لوگ جنگل کی طرف گئے
مگر واپس کبھی نہ آئے۔
صرف ایک رات بعد ان کی چیخیں دور سے سنائی دیں
"اور پھر خاموشی

باشم نے ایک لمحے کو اپنی سانس روکی۔
کریم چاچا کی نظریں اس پر جنمی ریں۔
اسی لئے ہم رات کو باہر نہیں نکلتے۔
یہ مخلوق اندهیرے میں جیتی ہے۔
یہ تمہیں تمہارے پیاروں کی آواز میں بلاتی ہے
اور جب تم قدم باہر رکھتے ہو
سب ختم۔

● دن میں بھی سایہ

باتیں کرتے کرتے سورج آبستہ جھکنے لگا۔
باشم نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے روشنی مدهم ہو رہی ہے
پورے ماحول کا رنگ بدل رہا ہے۔
دیواروں کی دراڑیں گہری لگنے لگیں
جھاڑیوں کے سائے لمبے ہو کر زمین پر رینگنے لگے۔

ایک لمحے کے لیے اُس نے سوچا
کہ یہ سب اس کے ذبن کا کھیل ہے
مگر پھر اچانک ایک جھٹکے سے
سامنے کے خالی گھر کی کھڑکی بند ہوئی
حالانکہ وہاں کوئی نہیں تھا۔

باشم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
سلمن بی بی نے اُس کی گھبراہٹ بھانپ لی۔
یہاں دن بھی کبھی محفوظ نہیں ہوتا۔
بس رات کو وہ زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔

شام ڈھلتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف جانے لگے۔
بر دروازے پر بھاری قفل لگنے کی آواز
گلیوں میں گونج رہی تھی۔
کریم چاچا نے باشم کو جلدی چلنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ واپس گھر پہنچے تو آسمان پر اندهیرا پھیل چکا تھا۔
دور جنگل کی طرف سے ٹھنڈی بووا کا جھونکا آیا
—اور اس کے ساتھ ایک **مدھم سی سرگوشی**
ایسی جیسے کوئی بہت قریب آ کر کان میں کہہ رہا ہو
”...باشم“

باشم کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔
یہ آواز وہی تھی
ماں کی آواز۔

کریم چاچا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا
یہ شروع ہو گیا ہے۔
یاد رکھو—آج تمہیں خود پر قابو رکھنا ہوگا۔
ایک بار بھی دروازہ کھولا
”سب ختم۔

باب 5 - پہلی قربانی

رات اپنی پوری تاریکی کے ساتھ پھیل چکی تھی۔
آسمان پر بادل ایسے لٹک رہے تھے جیسے کسی نے سیاہ چادر تان دی ہو۔
بوا میں جنگل کی باس نمی اور کسی پرانے زنگ آلود لوئے کی بُو گھل رہی تھی۔
کالونی کے بر دروازے پر بھاری قفل لگ چکے تھے۔ PIB
چراغوں کی مدھم روشنی بس اتنی تھی کہ اپنے سائے کو بھی دیکھنا مشکل ہو۔

باشم کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا۔
آنکھیں باہر کے اندهیرے میں جہانک رہی تھیں
—مگر دماغ میں دن کی باتیں گونج رہی تھیں
،سلمی بی بی کی تھکی ہوئی آنکھیں
،جاوید کی ٹوٹی ہوئی مسکراہٹ
اور وہ سرگوشیاں جو دن کے اجالے میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

کریم چاچا خاموشی سے لکڑی کے دروازے کے پاس بیٹھے تھے۔
ان کے باتھ میں پرانا سا خنجر تھا
جسے وہ بار بار کپڑے سے صاف کر رہے تھے۔
کمرے میں بس چراغ کی ہلکی لو
بوا کی مدھم سرسراہٹ
اور باشم کی یہ قابو دھڑکن کی آواز گونج رہی تھی۔

سروگوشیاں شروع

گھری نے آدھی رات کی بلکی سی ٹک ٹک بجائی
اور جیسے ہی آخری ٹک ختم ہوئی
دروازے پر بلکی دستک ہوئی۔

...ٹک...ٹک...ٹک

باشم کے جسم میں ایک جھٹکا سا لگا۔
یہ وہی آواز تھی جو اُس نے پچھلی رات سنی تھی
مگر اس بار... آواز میں کسی کی یہ بسی شامل تھی۔

پھر ایک مانوس مردانہ آواز گونجی
کوئی یہ؟ دروازہ کھولو
!"خدا کے واسطے میری مدد کرو

باشم نے فوراً کھڑکی کی اوٹ سے باہر جھانکا۔
چاند کی مدهم روشنی میں ایک آدمی سڑک پر کھڑا تھا۔
پھٹے پرانے کپڑے
چہرے پر مٹی اور خون کے نشانات۔
وہ یہ تحاشا دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

کریم چاچا نے باشم کا کندھا مضبوط سے پکڑ لیا۔
آنکھیں نیچے رکھو۔
"یہ وہ نہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔

باشم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر ہلایا
مگر دل کی دھڑکن قابو سے باہر تھی۔

پڑوسی کا فیصلہ

اچانک سامنے والی گھر کی کھڑکی کھلی۔
— یہ **بلال صاحب** کا گھر تھا
ایک نئی فیملی جو بس دو دن پہلے ہی یہاں پہنچی تھی۔
بلال صاحب چالیس کے قریب عمر کا دبلا پتلا آدمی تھا
ساتھ میں اُس کی بیوی عائشہ اور سات سال کی بیٹی باجرہ۔
انہوں نے دن میں ہی کالونی کے اصول سنے تھے
مگر بلال کو سب ڈرامہ لگ رہا تھا۔

کھڑکی سے بلال کی آواز آئی
!ارے کوئی تو مدد کرو
"یہ تو انسان ہے

کریم چاچا نے فوراً چیخ کر کہا
"بلال! کھڑکی بند کرو! یہ انسان نہیں ہے"

مگر بلال نے سنی ان سنی کر دی۔

اس کی بیوی عائشہ کے چہرے پر خوف صاف نظر آ رہا تھا
مگر بلال کی آنکھوں میں ایک ضد چمک رہی تھی۔

دروازے پر کھڑا وہ اجنبی بار بار پکار رہا تھا
"خدکا لئے... پانی دے دو... دروازہ کھولو"

لال نے ایک لمحے کی بچکچاپٹ کے بعد دروازے کا قفل کھو لا۔

...چرور

دربیچہ کھلنے کی آواز گلی کے سناثر میں گونج گئی۔

پہلی جھلک

جیسے ہی دروازہ ذرا سا کھلا
اجنبی نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔
باشم کی آنکھوں نے وہ منظر دیکھا
جس نے اُس کے وجود کی برق منجمد کر دی۔

چاندنی میں وہ چہرہ آبستہ آبستہ بدلتے لگا۔

آنکھیں اندر کو دھنس گئیں
بونٹ پھٹ کر کسی جانور کی طرح پھیل گئے
جلد کی رنگت را کھ جیسی سیاہ بونے لگی۔

پھر ایک بھیانک چیخ
!
کئی بیبی بیبی بیبی

اجنبی نے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے زور سے دھکیلا
اور بلال پر جھپٹ پڑا۔

چراغ کی مدهم روشنی میں وہ مخلوق
کس نیم انسانی جانور میں بدل چکی تھی۔
لمبے نوکیلے دانت
لمبے بازو،
اور ایسے ناخن جو لوہے کو چیر دیں۔

عائشہ نے خوف سے چیخ ماری
ہاجرہ کی بلکی سی سسکی پورے گلی میں گونج گئی۔

کریم چاچا اور دوسرے لوگ گھروں کے اندر دبکے رہے۔
یہی قاعدہ تھا
دروازہ بند رکھو۔ آواز نہ نکالو۔

باشم اپنے اندر کی چیخ روکنے کی پوری کوشش کر رہا تھا
لیکن سامنے کا منظر اس کے بس سے باہر تھا۔

موت کی مہک 

مخلوق نے ایک جھٹکے میں بلال کو زمین پر گرا دیا۔
بلال کی چیخیں اندھیرے میں تحلیل ہوتی گئیں۔
—پھر وہ مخلوق بلال کے اوپر جھکی اور

...چھپ... چھپ

گوشت کے چبانے کی آوازیں
رات کے سنائی کو کاٹتی ہوئیں
بر گھر کی دیواروں میں گونجنے لگیں۔

، عائشہ اور باجرہ دروازے کے پیچھے دبکی سسک رہی تھیں
مگر کسی کے پاس مدد کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

باشم کی آنکھوں میں آنسو اتر آئی۔
اُس کا دل چاپتا تھا دروازہ توڑ کر باہر نکلے
مگر کریم چاچا کی گرفت لوٹ کی طرح سخت تھا۔

"یہی ان کا جال ہے"
چاچا نے سرگوشی کی۔
"ایک کی جان لے کر باقیوں کو خوف میں زندہ رکھتے ہیں۔"

چند ہی لمحوں بعد وہ مخلوق
خاموشی سے دروازے سے پیچھے ہٹی۔
بلال کی یہ جان لاش زمین پر پڑی رہ گئی
اور گلی پھر سے موت کی سی خاموشی میں ڈوب گئی۔

صبح کا بوجھ

جب سورج کی پہلی کرن درختوں سے چھنی تو
گلی میں خون کے دھیے اور بلال کے پھٹے کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔
لاش غائب تھی
جیسے کوئی اسے گھسیٹ کر اندھیرے میں لے گیا بو۔

عائشہ اور باجرہ کی آنکھیں سوچی بوئی تھیں۔
کریم چاچا نے باشم کو بازو سے پکڑا اور سخت لھے میں کہا
اب سمجھہ آیا قاعدے کیوں بیں؟"
یہاں رحم نہیں، صرف انتظار ہے۔
زندہ رینا ہے تو صرف ایک اصول یاد رکھو
"رات کو دروازہ کبھی نہ کھولو۔

باشم نے زمین پر پڑے خون کو دیکھا۔
دل میں ایک عجیب سا زبر اتر ریا تھا۔
اسے اب یہ قاعدے محض ڈر نہیں لگ رہے تھے
بلکہ ایک ایسے راز کی جھلک لگ رہے تھے
جسے وہ بر قیمت پر جاننا چاہتا تھا۔

باب 6 - سلمن بی بی کا سفر

رات کی پہلی کرن سے پہلے کا وقت بمیشہ سب سے زیادہ بوجھل بوتا ہے۔ اسی دھنڈلی فضا میں باشم کو سلمن بی کی کہانی جانے کا موقع ملا۔ سلمن بی بی نے بلکہ سانس لی، جیسے اپنے دل پر جمی دھول ٹھانے سے پہلے خود کو تیار کر رہی ہوں۔

"یہاں تک کا سفر... آسان نہیں تھا"
انہوں نے دھیمی مگر کانپتی آواز میں کہا۔
"یہ سب ایک دن میں نہیں ہوتا... یہ آبستہ تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔"

آغاز: کراچی کی پرانی گلیاں

سلمن بی بی کا اصل گھر لیاری کی پرانی گلیوں میں تھا۔
تنگ مکان، چھت سے لٹکتے پرانے پنکھے
اور گلی کے کونے پر وہ مسجد
جہاں اذان کی آواز بر صبح ان کے دل کو تسکین دیتی تھی۔

وہاں وہ اپنے دو بچوں
ثاقب (عمر: 17) اور **بانیہ (عمر: 14)** کے ساتھ رہتی تھیں۔
شہر کے شور میں زندگی کی سادہ خوشیاں موجود تھیں
مگر ان کے شوبیر رشید کی موت کے بعد
زندگی کی خوشبو آبستہ آبستہ ماند پڑتی جا رہی تھی۔

رشید کی موت عجیب تھی۔
ایک رات وہ اچانک غائب ہو گئے
اگلی صبح ان کی لاش قریبیں نالے کے کنارے ملی۔
چہرہ نیلا پڑا بوا تھا
آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں جیسے آخری لمحے میں
کچھ ایسا دیکھا ہو جو انسان کی برداشت سے باہر ہو۔

رشید کی موت کے بعد
گھر میں عجیب و غریب واقعات شروع ہوئے۔

- کبھی رات کے وقت برتن خود بخود گر جاتے۔
 - کبھی چھت پر کوئی چلتا محسوس ہوتا مگر اوپر کوئی نہ ہوتا۔
 - کبھی بانیہ رات کو جاگ کر روتی اور کہتی
- "...ام، بابا کھڑکی کے باہر کھڑے ہیں"

سلمن نے اسے خواب سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی
لیکن بردن یہ واقعات بڑھتے گئے۔

بلاؤٹ کی پہلی سرگوشی

ایک رات ثاقب کو خواب آیا۔
اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ کپڑوں میں لپٹی عورت

پرانے کھے راستے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔
اس کی آواز ایسی تھی جیسے
دور سے کوئی پرانا گانا اللہ سنایا جا رہا ہو۔

عورت نے کہا
”...یہاں سے نکلو... وہ جگہ تمہارا انتظار کر رہی ہے“

ثاقب کی آنکھ کھل گئی۔
پیشانی پسینے سے بھیگ ہوئی تھی۔
اس نے یہ بات سلمن کو بتائی
مگر انہوں نے بس قرآن کی تلاوت تیز کر دی۔
پھر بھی... اگلی رات بانیہ نے بھی وہی خواب دیکھا۔

تیسرا رات سلمن بی بی نے بھی ایک
عجیب سرگوشی سنی
”آؤ... یہاں تمہیں سکون ملے گا“

آواز اتنی میٹھی تھی کہ
دل خود بخود اُس طرف کھنچنے لگے۔

سفر کی شروعات

چند دن بعد ایک رشتہ دار کی شادی کے بھانے
سلمن بچوں کے ساتھ کراچی کے ایک اور علاقے گئی تھیں۔
واپسی پر رکشہ والی نے ایک نیا راستہ تجویز کیا۔
”میم، اس طرف شارٹ کٹ لے۔“

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔
شارٹ کٹ ایک پرانے کھے راستے سے گزرتا تھا
جہاں ارد گرد صرف کھنڈ اور جنگل جیسے درخت تھے۔
بوا نم اور عجیب طرح کی میٹھی خوشبو سے بھری ہوئی تھی
جیسے مٹی کے ساتھ کچھ جل رہا ہو۔

رکشہ جیسے بی ایک پرانی پتھریلی سڑک پر مڑا
گاڑی اچانک رک گئی۔

ڈرائیور نے کانپتی آواز میں کہا
”میم... آگے راستہ بند ہے۔ آپ لوگ یہیں سے پیدل چلے جائیں“
”دوسرा راستہ مل جائے گا۔“

پھر وہ بغیر پیسے لیے واپس مڑ گیا۔

سلمن نے آس پاس دیکھا۔
بر طرف خاموشی
بس درختوں کی سرسراہٹ اور دور کھیں سے
پانی ٹپکنے کی آواز آ رہی تھی۔

ثاقب نے موبائل کی ٹارچ جلائی
مگر روشنی کچھ قدم آگئی جا کر
اندھیرے میں غائب ہو گاتی۔

بانیہ نے ماں کا باتھ زور سے پکڑا۔
"امن... واپس چلتے بیس۔"

لیکن سلمی نے دل کڑا کیا۔
"آگے بی مین روڈ ہوگا۔"

بلاوے کا جال

جیسے بی وہ لوگ تھوڑا آگے بڑھے
ایک دھند ان کے ارد گرد پھیلنے لگی۔
یہ عام دھند نہیں تھی
یہ سانس لینے پر سینے میں ٹھنڈک اتارتی تھی
اور دل کی دھڑکن یہ ترتیب کر دیتی تھی۔

اسی دھند میں
وبی میٹھی سرگوشی دوبارہ گونجی
"بیہان سکون یے ... آگے بڑھو"

ثاقب اور بانیہ نے ایک ساتھ ماں کا باتھ کھینچا۔
"امن! یہ جگہ ٹھیک نہیں"

لیکن سلمی کے قدم جیسے خود بخود چل رہے تھے۔
ہر قدم کے ساتھ دل پر ایک عجب سا سکون اتر رہا تھا
جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ
یہی وہ منزل یہ جس کی وہ برسوں سے تلاش میں تھیں۔

چند منٹ کے بعد
وہ دھند بٹنے لگی
اور سامنے ایک پرانا زنگ آلود گیٹ نظر آیا۔
گیٹ کے اوپر مٹی سے بھرا ایک سائنس بورڈ ٹوٹا ہوا لٹک رہا تھا

"کالونی - مخصوص رباءشی علاقہ PIB"

پہلی جھلک 🏠

گیٹ کے پیچھے
چھوٹے چھوٹے گھروں کی ایک قطار تھی۔
چراغ جل رہے تھے مگر کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
ہوا میں وہی باس نہیں اور زنگ کی بُو
جو بعد میں ہر رات ان کا تعاقب کرتی۔

دروازہ خود بخود چرچراتا بوا کھل گیا۔
—اندر سے ایک دبلى پتلی عورت نمودار بوئی
چہرہ سادہ مگر آنکھوں میں ایسی گھرائی
جیسے کئی صدیاں وہاں دفن ہوں۔

اس نے مسکرا کر کہا
آپ کا انتظار تھا۔"
یہاں آپ محفوظ ہیں۔
"...آئیں

سلمی بی بی کے قدم یے اختیار اندر بڑھ گئے۔
ثاقب اور بانیہ نے ماں کو روکنے کی کوشش کی
مگر ان کے باதھ جیسے بوا میں تیر رہے تھے۔

گیٹ پیچھے سے خود بخود بند ہو گیا۔

● پہنسنے کے بعد

جب سلمی بوش میں آئیں
وہ ایک چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے میں تھیں۔
کریم چاچا پہلی بار اسی رات ان سے ملے۔
انہوں نے خاموش سے صرف ایک جملہ کہا
یہاں کے اصول یاد رکھو۔"
رات کو دروازہ نہ کھولو۔

سلمی نے باہر جانے کی ضد کی
مگر کریم چاچا کی نظریں
کسی ایسے راز کی گواہی دے رہی تھیں
جو انسان کو بمیشے کے لئے قید کر دیتا ہے۔

اس رات پہلی بار سلمی نے دور سے وہ چبانے کی آواز سنی
جس نے ان کے دل میں خوف کا ایسا بیج بوسا
جو آج تک نہیں سوکھا۔

باب 7 - ہاشم کا خواب اور پوشیدہ اشارے

رات کا پہلا پیر
پی آئی بی کالونی کے آسمان پر ٹمٹماتے بادل ایسے لگ رہے تھے
جیسے کسی نے پرانے فلمی فریم کو سست رفتاری سے گھما دیا ہو۔
ہوا ساکن تھی مگر دیواروں کے پیچھے
کچھ نہ کچھ سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

ہاشم اپنے کمرے میں لیٹا تھا۔
کمرے کی چھت پر لٹکتی پرانی پنکھے کی بلیڈیں

بلکی سی چرچرا بٹ کے ساتھ آبستہ گھوم رہی تھیں۔
نیند کے دھنڈلکوں میں اس کی آنکھیں خود بخود بوجھل ہو گئیں۔

خواب کی شروعات

اچانک وہ خود کو ایک سنسان سڑک پر کھڑا پاتا ہے۔
وبن گاؤں کی پتھریلی سڑک جس پر وہ پہلی رات بھٹکا تھا۔
دور دور تک کوئی انسان نہیں
بس ایک مدهم سی روشنی جو
سڑک کے آخر میں ٹمٹما رہی تھی۔

پیچھے سے بوا کا ایک جھونکا آتا ہے۔
لیکن یہ عام بوا نہیں تھی
اس کے ساتھ ایک گھری سڑاند تھی
جیسے گلی سڑی مچھلی کو بارش میں چھوڑ دیا ہو۔

باشم نے پلٹ کر دیکھا۔
دور دھند میں دو دھنڈلی سی پرچھائیاں کھڑی تھیں۔
ان کی قامت انسان جیسی تھی
مگر ان کے بازو زمین تک جھوول رہے تھے۔

وہ آبستہ آبستہ قریب آنے لگے۔
ہر قدم کے ساتھ
ان کی شکلیں مزید واضح ہوتی جا رہی تھیں۔

جلد کی جگہ کائی لگی بوئی —
آنکھیں دودھیا سفید —
ہونٹوں کی بجائے ایک کالی دراڑ —
جس سے مسلسل ایک سیٹی جیسی آواز نکل رہی تھی۔

سیٹی کی یہ آواز
ہوش اڑانے والی تھی۔
...یہ کوئی عام سیٹی نہیں تھی بلکہ
کسی کا نام پکارنے جیسی تھی۔

"...با... شم"

باشم کا دل تیز دھڑکنے لگا۔
یہ آواز نرم اور میٹھی تھی
لیکن اس کے پیچھے کوئی ایسا زیر تھا
جو بُدھیوں تک کو کمزور کر دے۔

ربنمائی کرنے والی روشنی

باشم خوفزدہ ہو کر پیچھے بٹتا ہے۔
اچانک سڑک کے آخر پر جلتی روشنی اور روشن بو جاتی ہے۔

—اس روشنی میں ایک عورت کھڑی ہے
، چہرہ سیاہ دوپٹے میں چھپا ہوا
بس اس کی نیلی آنکھیں
رات کے پانی کی طرح چمک رہی تھیں۔

عورت دھیمی آواز میں کہتی ہے
... یہ سب حقیقت ہے"
لیکن اگر تم جاننا چاہتے ہو
کہ یہ سب کب ختم ہوگا
تو اُس درخت کے نیچے جا کر دیکھو
" جہاں زمین خون سے گیلی ہے

ہاشم نے پیچھے دیکھا۔
وہ مخلوق اب اور قریب آچکی تھی۔
ان کے منہ کی دراڑوں سے
کالا چپچپا مواد بہ ربا تھا۔

عورت کی آواز دوبارہ گونجی
— فیصلہ تمہارے باتھ میں ہے"
" روشنی یا اندھیرا؟

ہاشم کے قدم خود بخود اس روشنی کی طرف بڑھنے لگے۔
جیسے ہی وہ عورت کے قریب پہنچا
اچانک روشنی بجهہ گئی
اور سب کچھ گھپ اندھیرا۔

﴿ خواب کا ٹوٹنا ﴾

ہاشم چیخ کر اٹھ بیٹھا۔
اس کی قمیض پسینے سے تر تھی۔
سانسیں ہے ترتیب۔
کمرے کی کھڑکی بند تھی
مگر باہر سے وہی سیئی نما سرگوشی
مدھم مگر واضح سنائی دے رہی تھی

" ... با... نیم "

وہ دل تھام کر کھڑکی کے قریب گیا۔
کھڑکی کے باہر
ایک لمھے کے لیے ایسا لگا
جیسے دھند میں ایک سایہ حرکت کر رہا ہو۔
— نیلی آنکھوں والا سایہ
بالکل خواب والی عورت جیسا۔

باشم نے اگلی صبح
یہ خواب سلمن بی بی اور کریم چاچا کو سنایا۔

کریم چاچا کے چہرے پر
ایک لمبے کے لیے خوف کی لہر دوڑ گئی
لیکن وہ فوراً سنبھل گئے۔
"یہ خواب نہیں... یہ انتباہ ہے"
انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔
یہاں آئے والے بر شخص کو"
پہلے یہ اشارہ دیا جاتا ہے
یہ پہلی باتا ہے
"کہ اگلی قربانی کس کی ہے۔

باشم کا دل بیٹھ گیا۔
"کیا مطلب؟"

کریم چاچا نے بس اتنا کہا
رات کی آوازوں کو پہچانو۔
جو نام وہ لیتے بیس
اگلی بار وہی نام
اندھیرے میں گونجے گا۔

بانیہ نے سہم کر اپنی ماں کا باتھ پکڑ لیا۔
سلمن کی آنکھوں میں بھی
ایک ایسا خوف تھا
جو صرف وہ لوگ جانتے بیس
جنہوں نے موت کو قریب سے دیکھا ہو۔

باب 8 - جاوید اور نادیہ کی کہانی

رات کی خاموشی ہمیشہ راز سناتی ہے
بس سننے والا دل ہونا چاہیے۔
باشم جب اپنے خواب کے اثر سے ابھی پوری طرح باہر نہ نکلا تھا
اسی دوران کریم چاچا نے آبستہ سے کہا
بیٹا... تمہیں جاوید اور نادیہ کی کہانی سننی چاہیے۔
یہ کہانی تمہیں سمجھائی گی کہ یہ جگہ
"لوگوں کو کیسے اپنے جال میں کھینچتی ہے۔

بانیہ اور ٹاقب بھی قریب آئیں۔
چراغ کی مدد ہم روشنی میں کریم چاچا نے آغاز کیا۔

کراچی کی دوڑتی زندگی

جاوید اور نادیہ کی ملاقات دو سال پہلے کراچی کے ایک بڑے اسپتال میں بوئی۔
جاوید، ایک ایمرجنسی میڈیکل ٹیکنیشن تھا۔

تیز دماغ، بر لمحہ تیار
اور اپنے کام کی وجہ سے اکثر راتیں ڈیوٹی میں گزار دیتا۔

نادیہ، ایک نرسنگ ٹرینی
خاموش مگر دلکش مسکراہٹ رکھنے والی لڑکی۔
ان کی ملاقات ایک حادثے کے کیس کے دوران بوئی۔
وہ دونوں انسانوں کو بچانے کے شوق میں
دوسروں سے الگ لگتے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ ملاقاتیں
ایک گہری محبت میں بدل گئیں۔
چھ مہینے پہلے دونوں نے منگنی کی
اور شادی کی تاریخ طے بو چکی تھی۔

لیکن شادی سے صرف دو ہفتے پہلے
نادیہ کے والدین کو
پنجاب میں ایک قریبی رشتے دار کی عیادت کے لیے جانا پڑا۔
انہوں نے جاوید کو کہا کہ
وہ نادیہ کو کچھ دنوں کے لیے
شہر سے باہر ایک تفریحی ٹرپ پر لے جائے
تاکہ شادی کے دباؤ سے کچھ راحت مل سکے۔

سفر کی شروعات

وہ لوگ اپنی کار پر نکلے۔
منزل کوئی طے نہیں تھی
بس کراچی کے شور سے دور ایک پرسکون جگہ کی تلاش۔
رات کے وقت وہ حب ڈیم روڈ کے قریب پہنچے
جہاں سڑک کے کنارے ایک پرانا سا بورڈ نظر آیا

"پرانا گاؤں - 12 کلومیٹر"

بورڈ پر موجود تیر ایک کچی سڑک کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔
جاوید نے بلکی بنسی کے ساتھ کہا
"چھوٹے گاؤں کا مزہ لیتے بیں"
"کچھ گھنٹے میں واپس آجائیں گے۔"

نادیہ نے جھجکتے ہوئے سر بلایا۔
گاڑی جیسے بن اس کی راستے پر چلی
عجیب سا سنائنا ان کا استقبال کرنے لگا۔
چاند کی روشنی بھی دھند میں مدهم ہو گئی۔

گاڑی کے شیشے کے باہر
بس جھاڑیاں اور پرانے درخت نظر آ رہے تھے
ہوا میں ایک بلکی سی سڑی ہوئی مٹی کی بو تھی
جس نے نادیہ کو یہ چین کر دیا۔

جاوید، واپس چلتے بیں۔
"یہ راستہ ٹھیک نہیں لگ رہا۔
نادیہ نے دیے لفظوں میں کہا۔

جاوید نے اسے تسلی دی۔
"چند کلومیٹر ہی بیں، دیکھ لیتے بیں۔"

پہلی علامت

راستے میں اچانک ان کی گاڑی کے سامنے¹
ایک بوسیدہ لکڑی کا تختہ گرا۔
گاڑی رکتے ہیں
نادیہ نے دور سے ایک مدهم روشنی دیکھی
جیسے کسی گھر کے اندر لاٹین جل رہی بو۔

لیکن وہ روشنی
کبھی قریب آتی محسوس بوتی
کبھی اچانک دور۔

جاوید نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی
لیکن انجن نے آواز دینا بند کر دی۔
اس دوران ہوا میں
—ایک عورت کی بننسی گونجی
ایسیں بننسی جس میں نہ خوشی تھی نہ غم
بس ایک یہ جان کھنک۔

نادیہ نے کانپ کر جاوید کا ہاتھ پکڑا۔
"یہ کہاں سے...؟"

جاوید نے ہمت کر کے باہر نکلنے کی کوشش کی۔
دروازہ کھلتے ہی
اسے لگا جیسے زمین کے نیچے سے
ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا نکل کر
اس کے پاؤں کو پکڑ رہا ہوا۔

اسی لمحے
—دور سے ایک سایہ نمودار ہوا
ایک لمبی قامت والا انسان
مگر اس کی گردن عجیب زاویے سے مڑی بوئی تھی۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا
"ادھر آؤ... یہاں محفوظ ہو"

جاوید نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔
گاڑی کا انجن اچانک خود بخود چلنے لگا۔
ڈر کے مارتے وہ لوگ تیزی سے اگے بڑھے۔

چند منٹ بعد دھنڈ چھٹنے لگی
اور سامنے ایک پرانا گیٹ نظر آیا
جس پر زنگ آلود حروف میں لکھا تھا

"کالونی - مخصوص ربانی علاقہ PIB"

نادیہ نے خوف سے کہا
"یہاں کوئی ربتا بھی ہے؟"

جاوید نے تھوڑا حوصلہ کرتے بؤے کہا
"کم از کم یہ جگہ سنسان راستے سے بہتر ہے۔"

- انہوں نے گیٹ دھکیلا
گیٹ ہلکی سی چیخ کے ساتھ کھلا

اندر ایک عورت کھڑی تھی۔
چہرہ دھنڈ میں چھپا بوا
آنکھوں میں ایسی چمک
جیسے صدیوں سے انتظار کر رہی بو۔

"آپ لوگ تھک گئے ہوں گے"
عورت نے نرم لہجے میں کہا۔
یہاں آئیے... آرام کیجیے۔"
رات کو سڑکیں محفوظ نہیں بوتیں۔

جاوید اور نادیہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
بچکچابٹ کے باوجود
ان کے قدم خود بخود اندر بڑھ گئے۔

گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی
گاڑی کا انجن ایک زور دار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔
دھنڈ نے پورا گیٹ لپیٹ لیا
اور باہر کا راستہ
ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔

پہلی رات کی دبشت

اس رات جاوید اور نادیہ کو ایک چھوٹی کمرے میں رکھا گیا۔
کریم چاچا نے ہمیشہ کی طرح
صرف ایک بن جملہ کہا
"رات کو دروازہ نہ کھولنا۔"

آدھی رات کو نادیہ نے
کھڑکی کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنی۔

پہلے آبسته... پھر تیز... پھر رُک کر
ایک مانوس آواز

"نادیہ... میں ہوں... دروازہ کھولو۔"

یہ آواز جاوید کی تھی
لیکن جاوید تو اس وقت
اس کے ساتھ اسی کمرے میں سو رہا تھا۔

نادیہ کا دل کانپ گیا۔
اس نے جاوید کو بلایا۔
جاوید نے آنکھیں کھولیں
اور دونوں نے کان لگا کر سننا۔

—اب آواز دونوں کو آ رہی تھی
، بلکل جاوید کی اپنی آواز
مگر باہر۔

کریم چاچا کے الفاظ یاد آتے ہی
انہوں نے دروازہ مزید مضبوطی سے بند کر لیا۔

چند لمحے بعد
دروازہ کے نیچے سے
سیاہ چیچپا مائع اندر رسنے لگا۔
اس مائع سے ایسی بُو آ رہی تھی
جیسے گلی سڑی بُدھیاں جل رہی ہوں۔

نادیہ نے چیخ دبانے کے لیے
اپنا منہ بند کر لیا۔
جاوید نے دروازے کو کندھے سے دبایا
اور قرآن کی آیات پڑھنے لگا۔

، وہ آواز
، وہ مائع
سب آبستہ آبستہ غائب ہو گئے۔

باب 9 - بشری آٹھ اور ناصر انکل کی کہانی

رات کی گھری خاموشی میں کریم چاچا نے جب یہ نیا قصہ شروع کیا
تو باشم کو یوں لگا جیسے بوا بھی رک گئی ہو۔
چراغ کی لوکبھی بلند ہوتی، کبھی دب جاتی
جیسے بر لفظ کے ساتھ کمرے کی سانسیں بھی اٹک رہی ہوں۔

بشری آئی اور ناصر انکل کا اصل تعلق سکھر سے تھا۔
وہ دونوں ایک پرانے کپڑوں کی دکان کے مالک تھے۔
ببشری ایک سخت مگر دل کی نیک عورت
بمیشہ صاف ستھری ساڑھی اور بالوں میں چمکتی کلیپس لگاتی تھیں۔
ناصر انکل نرم لمحے والے
مگر وقت آئے پر فیصلہ کرنے میں سب سے آگے۔

ان کی زندگی بظاہر عام تھی
—مگر اندر بی اندر ایک چھپی بوئی خوابش انہیں بمیشہ کھینچتی تھی
اولاد کی۔

شادی کو پندرہ سال گزر گئے تھے
مگر وہ اس نعمت سے محروم تھے۔

بر جمعرات وہ مختلف درگاؤں پر منتیں مانگتے
،وظیفے پڑھتے
لیکن بربار خالی باتھ واپس آتے۔
یہ خوابش آبستہ آبستہ
ان کے دل میں ایک خلا میں بدل ری تھے۔

انوکھا بلاوا

ایک دن بازار سے لوٹتے بوئی
بشری نے سڑک کنارے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا۔
اس کی آنکھیں اتنی گھری تھیں
جیسے اندر ایک الگ دنیا چھپی ہو۔

بوڑھی عورت نے پکارا
بیٹی... تمہاری منت پوری بونے کا وقت آگیا یہ۔"
"لیکن ایک شرط یہ۔

بشری ساکت رہ گئیں۔
عورت نے آبستہ سے کہا
رات کے بارہ بجے سڑک کے شمال والے درخت کے پاس آنا۔"
ایک راستہ تمہیں ملے گا۔
اس راستے پر چلو
"تمہیں وہ ملے گا جس کے لیے تم نے سالوں دعائیں کی بیں۔

ناصر انکل کو جب بشری نے یہ بات بتائی
تو وہ بنس پڑے۔
"یہ سب کہانیاں بیں، بشری۔"
لیکن بشری کے دل میں عجیب سا کھچاؤ تھا۔
سالوں کی تمٹانے ان کے قدم باندھ لیے۔

اگلی رات دونوں وہی کرنے نکل پڑے۔
شمال کی طرف پرانے برگد کے درخت کے قریب پہنچے
تو وباں واقعی ایک کچا راستہ موجود تھا
جیسے ابھی ابھی زمین سے نکلا ہو۔

بوا میں ایک میٹھی مگر باسی خوشبو تھی
جو دل کو بہکانے لگی۔
راستے کے کنارے جھاڑیوں میں
چھوٹے چھوٹے جگنو ایسے ٹمٹما رہے تھے
جیسے کسی نے آسمان کے ٹکڑے زمین پر بکھیر دیے ہوں۔

ناصر نے قدم روکے۔
"یہ راستہ پہلے کبھی یہاں نہیں تھا۔"

بشری نے یہ اختیار کھا
"یہ ہے ... یہی وہ اشارہ ہے۔"

چند منٹ چلنے کے بعد
انہیں ایک پرانا زنگ آلود گیٹ نظر آیا
جس پر دھنڈ میں ڈھکے حروف چمک رہے تھے

"کالونی - مخصوص ریائشی علاقہ PIB"

گیٹ کے قریب پہنچتے ہی
ان کے کانون میں ایک نہیں بنسی گونجی۔
یہ بنسی ایسی تھی
جیسے کوئی بچہ کھیلتے خوش سے قہقہہ لگا رہا ہو۔

ناصر اور بشری کے دل ایک ساتھ دھڑکے۔
ان کی آنکھوں میں ایک دوسرا کے لیے
سوال اور امید دونوں جھلک رہے تھے۔

پہلی جھلک

گیٹ کے اندر چراغاں تھا۔
چھوٹے گھروں کی قطاریں
بر گھر کے سامنے جلتی لالٹینیں۔
لیکن عجیب بات یہ کہ
اتنی روشنی کے باوجود کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔

اچانک ایک کم عمر لڑکی نمودار بوئی۔
چہرے پر معصوم مسکراہٹ
مگر آنکھوں میں صدیوں کی ویرانی۔

لڑکی نے دھیرے سے کہا
آپ لوگ دیر کر چکے ہیں۔"

لیکن خوش آمدید۔

"یہاں وہ سب ملتا ہے جس کی خوابیش دل میں ہو۔

ناصر نے جھر جھری لی۔

"یہاں... رینے والے کون ہیں؟"

لڑکی نے بس اتنا کہا

"وہ جو اپنے خوابوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔"

بشری نے یے اختیار قدم اندر رکھ دیا۔

ناصر نے روکنے کی کوشش کی

—مگر اچانک گیٹ خود بخود بند بو گیا

ایک زوردار دھماکے کے ساتھ۔

پہلی رات کا خوف

اس رات انہیں ایک بڑا سا کمرہ دیا گیا۔

کھڑکی کے باہر دھند کی دبیز تھہ پھیلی بوئی تھی۔

آدھی رات کو بشری نے

—ایک ننهی رو سنی

ایسیں جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ

ماں کو پکار رہا ہو۔

بشری تڑپ کر کھڑی ہو گئیں۔

"ناصر، سنو... بچہ رو رہا ہے"

ناصر نے کان لگایا۔

واقعی ایک ننهی سسکی آربی تھی۔

لیکن کمرے کے اندر تو کوئی نہیں تھا۔

روتے روتے وہ آواز

آبستہ آبستہ واضح ہونے لگی

"...امی... باہر آؤ"

—یہ آواز کسی نومولود کی نہیں تھی

یہ بشری کے دل کے اندر گونج رہی تھی۔

بشری نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا

لیکن ناصر نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ فریب ہے"

دروازے کے نیچے سے

سیاہ دھند کی پتلی سی لکیر اندر رہنے لگی۔

اس میں ایک عجیب سا لویہ کی زنگ آلود بو تھی

جیسے پرانے بسپتال کے بستر جل رہے ہوں۔

ناصر نے زور سے کلمہ پڑھا۔
دہند جھٹکے سے پیچھے ہٹی
اور وہ نہیں آواز اچانک بند ہو گئی۔

● موجودہ وقت میں

کریم چاچا نے خاموشی توڑی۔
یہ ان کی پہلی رات تھی۔"
اس کے بعد برات
، وہ آواز واپس آتی ہے
لیکن بشری نے آج تک دروازہ نہیں کھولا۔

باشم کے دل پر ایک سرد لہر دوڑ گئی۔
یہ مخلوق انسان کے
— سب سے نازک احساسات
— خوابش اور محرومی
کا استعمال کرتی تھی۔

سلمن بی بی نے سسکی لی۔
یہ جگھ... انسان کو"
اپنی بی کمزوریوں کے ذریعے توڑتی ہے۔

باشم نے کھڑکی سے باہر جهانکا۔
دور برگد کے درخت کے سائے میں
ایک ننھا سا سایہ
کھیلتا ہوا دکھائی دیا۔
پہلے ایک بچہ
بھر دہند میں وہی سایہ
آبستہ آبستہ کسی بڑھی بوئے جسم میں بدل گیا۔

باب 10 - باشم کی پہلی جان لیوا رات

کالونی کا بہ کونا PIB رات کی گھری خاموشی میں
ایسا لگ رہا تھا جیسے خود سانس لے رہا ہو۔
آسمان پر کوئی چاند نہ تھا
بس دہند کے ٹکڑے
جو بہ لالثین کی روشنی کو چبا رہے تھے۔
بوا میں باسی مٹی اور جلتی لکڑی کی بھینی بو
دل کی دھڑکن کے ساتھ ساتھ
اور بھی گھری بوتی جا رہی تھی۔

باشم اپنی چھوٹی سی کمرے میں
ٹوٹے صوفے پر لیٹا
پچھلے چوبیس گھنٹوں کے بہ منظر کو یاد کر رہا تھا۔
کریم چاچا کی باتیں

بُشري آنٹي کا بچہ بلانے والا سايه
اور وہ گيٹ جو خود بخود بند ہو گيا تھا۔
— یہ سب ایک خواب لگتا تھا
لیکن حقیقت کا وزن
اس کی سانسون پر بھاری تھا۔

خطرے کی پہلی آئٹ

کمرے کی چھت پر لٹکتی لالثین کی روشنی
اچانک بلکی سی کانپی۔
باشم نے چونک کر سر اٹھایا۔
باپر کی گلیوں سے
دھند کے بیچ کوئی دھیمی سرگوشی
سنائی دینے لگ۔

... باشم ... دروازہ کھولو ”
”... میں ہوں ... تمہاری مان

یہ آواز اتنی مانوس تھی
کہ باشم کے وجود کا بر خلیہ
ایک ساتھ کانپ اٹھا۔
... مان کی نرم، سہلانے والی آواز
لیکن اس کی مان تو کراچی میں تھی۔
یہ کیسے ممکن تھا؟

اس کے دل نے ایک پل کو کھا
”! شاید کالونی سے باپر سے کوئی پیغام ہے ”
مگر فوراً کریم چاچا کی سخت آواز
دماغ میں گونجی
آدھی رات کو جو بھی آواز دھے
... وہ تمہارا پیارا نہیں
”! وہ تمہیں باپر کھینچنے والا عفریت ہے

باشم نے دانت بھینچ لیے
اور دروازے کی طرف نظریں جما دیں۔

دروازے کا کھیل

دروازے کے نیچے سے
سیاہ دھند کی ایک باریک لکیر اندر رسنسے لگ۔
اس دھند میں
نمکین پسینے اور
جلتے گوشت جیسی بو تھی۔
باشم کے ناک کے نتهنے جلنے لگ۔

...باشم... بیٹا... دروازہ کھولو"
" ...میں اکیلی ہوں... ڈر لگ رہا ہے

یہ آواز اب اتنی قریب تھی
جیسے کوئی عورت دروازے سے لپٹی ہو۔
باشم نے دروازے کے بینڈل کی طرف دیکھا۔
—وہ خود بخود بلنے لگا
...آپستہ... آپستہ
کھٹ... کھٹ... کھٹ

باشم نے اپنی جیب سے
کریم چاچا کا دیا ہوا پرانا تسبیحی گڑا نکالا
اور کلمہ پڑھتے ہوئے
بینڈل پر رکھ دیا۔
بینڈل جھٹکے سے رکا
اور دروازے کے پیچھے سے
ایک تیز چیخ گونج۔

چیخ اتنی تیز تھی
کہ کمرے کی کھڑکیاں بل گئیں
اور دیواروں سے مٹی جھٹنے لگی۔

کریم چاچا کی مدد 

اچانک باپ سے قدموں کی آواز آئی۔
باشم نے جہانکی کی کوشش کی
لیکن کھڑکی کے شیشے پر
کس نے ناخن گھسیٹی
چیرتی ہوئی کرکرا بٹ کے ساتھ۔

"!باشم! اندر ہی رو"!
یہ کریم چاچا کی آواز تھی۔

:باشم نے جواب دیا
!"چاچا! کوئی دروازہ توڑے کی کوشش کر رہا ہے"

کریم چاچا کی بھاری آواز
دھند کے شور میں گونجی
...یہ وہ نہیں بیس جو تم سمجھ رہے ہو"
...یہ تمہیں آزمائی بیس
!"بس فجر تک رک جاؤ

باشم کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
اس کے کمرے کی دیوار کے پیچھے
کچھ بھاری سا رینگنے لگا۔
پہلے آپستہ... پھر تیزی سے

کھڑکی کے پٹ اچانک زور سے کھلے
سرد بوا کے جھونکے کے ساتھ
ایک لمبا، دبلا سایہ اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگا۔
اس کا چہرہ دھند سے ڈھکا بوا
—مگر آنکھیں
نیلی، روشنی پھینکتی ہوئی۔

...یہ آنکھیں
باشم نے اپنی ماں کی آنکھوں جیسی پہچانی روشنی دیکھی
مگر اگلے بن لمحے
وبن آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

سایہ آبستہ آبستہ کھلنے لگا۔
باتھ لمیے، انگلیاں بڈیوں کی طرح تیز۔
زبان دو حصوں میں بٹی ہوئی۔
ایک مکروہ مسکراہٹ
جو کانوں تک پھیلی ہوئی۔

"...بیٹا... بس ایک جھپی دے دو"

یہ جملہ سنتے ہی
باشم کی ریڑھ کی بڈی میں
برف سی سرسراہٹ دوڑ گئی۔

مقابلہ

باشم نے فوراً اپنے جوتے کے نیچے چھپی
پرانی لویہ کی چھری نکالی
جو کریم چاچا نے دیا تھا۔
چھری پر بلکی سی لکیر کالی دھند کی چمک رہی تھی۔

"!تم... میری ماں نہیں ہو"
باشم نے چیختے ہوئے کہا
اور چھری کو لہرایا۔

مخلوق ایک دم رک گئی۔
اس کی آنکھوں سے سرخ دھواں نکلنے لگا۔
پھر ایک ایسی چیخ نکلی
جس سے کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ کر زمین پر بکھر گئے۔

ہوا اچانک اتنی ٹھنڈی ہوئی
کہ باشم کی سانسیں برف کے دھویں کی طرح دکھائی دینے لگیں۔

ساہی دھنڈ میں تحلیل بو کر
گھر کے باپر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

فجر کی پہلی کرن

دور مسجد کے اسپیکر سے
فجر کی اذان کی پہلی صدا بلند ہوئی۔
جیسے بی اذان کی آواز فضا میں پھیلی
کمرے کی ٹوٹی کھڑکیاں
خود بخود بند ہو گئیں
دھنڈ پیچھے بٹ گئی
اور وہ زنگ آلود ہو غائب ہو گئی۔

باشم گھٹنیوں کے بل گر گیا۔
پسینہ اس کی گردن سے بھے ربا تھا
اور دل کی دھڑکن ابھی تک
ڈھول کی طرح بج رہی تھی۔

دروازہ کھلا
اور کریم چاچا اندر آئے۔
ان کے باتھ میں جلتا ہوا چراغ تھا۔
انہوں نے باشم کے کندھے پر باتھ رکھا
اور آبستہ سے کہا
یہ صرف شروعات ہے، بیٹے۔"
آج تم نے پہلی رات جیت لی ہے۔
...لیکن یاد رکھو
یہ مخلوق بر بار
"نئی صورت لے کر آتی ہے۔

باشم نے کانپتی آواز میں پوچھا
یہ آخر بیس کیا؟"
"یہ میری ماں کی آواز کیسے نکال سکتے ہیں؟

کریم چاچا کی آنکھوں میں
پچھتاوٹ اور صدیوں پرانی تھکن کی جھلک تھی۔
انہوں نے بس اتنا کہا
یہ وہ بیس"
جو بماری سب سے گھری خوابش بن کر آتے ہیں
اور پھر اسے چیر کر کھا جاتے ہیں۔

باب 11 - نیا قافلہ، نئے راز

صبح کی پہلی کرن ابھی آسمان کے کنارے پر تھی
کالونی کی گلیاں PIB لیکن
ابھی بھی رات کی وحشت سمیٹی بیٹھی تھیں۔

دھند کے موٹ پر دھنے میں لپٹی
ٹوٹی بؤی عمارتوں پر اوس کے قطربے
بلکی روشنی میں سیاہ موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

کریم چاچا کی گلی کے گیٹ پر
اچانک دھات کی چرچراپٹ سنائی دی۔
یہ آواز اس خاموشی میں
کس بوسیدہ قبر کے ڈھکن کے سرکنے جیسی لگ رہی تھی۔

باشم چونک کر باہر نکلا۔
اس کے قدم ابھی سنبھالے بی تھے
کہ دھند کے پیچھے سے
ایک پرانا، کھٹاڑہ سا منی ٹرک نمودار بوا۔
ٹرک کے اگلے حصے پر
کالا پینٹ جگہ جگہ سے اکھڑا بوا تھا
اور بیڈلاٹس ٹمٹما رہی تھیں
جیسے کس بیمار دل کی دھڑکن۔

آنے والے لوگ

ٹرک کے رکنے پر اس کے پچھلے حصے کا دروازہ
چرچراپٹ کے ساتھ کھلا
اور چار چھرے دھند میں ابھرے۔

فراز

عمر تقریباً 38 سال –
موٹ شیشے کی عینک –
پرانے کاغذات سے بھرا بیگ باتھ میں۔
پہلی نظر میں ایک عام استاد لگتا تھا
لیکن اس کی آنکھوں کے اندر
ایک **ناقابلِ بیان خوف** چھپا بوا تھا
جیسے کوئی ایسا راز جانتا بو
جو زبان پر لاتے بی جان لے لے۔

مہک

فراز کی بیوی، 34 سال –
سفید شال میں لپٹی –
چہرہ نازک مگر آنکھوں میں –
کس اندھیرے کا بوجھ۔
اس کے ماتھے کی شکنیں
ایسی تھیں جیسے کئی راتیں
جاگتے جاگتے پتھر بن گئی بون۔

علی

ان کا 11 سالہ بیٹا –

دبلا پتلا مگر آنکھوں میں -
عجیب سی چمک۔
ٹوی کار کی طرح متجمس
ہر چیز کو باتھ لگانے والا۔
لیکن اس کے بائیں گال پر
ایک پرانا جلنے کا نشان تھا
جس پر مہک کی نظریں
بار بار رُک جاتی تھیں۔

آمنہ

فراز کی چھوٹی بہن، 24 سال -
کالے لمبے بال -
اور کانچ جیسے سنجدہ نقوش۔
دیکھنے میں نرم مزاج
مگر چلنے میں ایک عجب پھرتی۔
اس کی نظریں دھند کو اس طرح چیر ریں تھیں
جیسے وہ پہلے بھی
ایسیں بی گلیوں سے گزر چکی ہو۔

ان کا سفر

کریم چاچا آگے بڑھے اور احتیاط سے پوچھا
"تم لوگ کون ہو؟ یہ جگہ کس نے بتائی؟"

فراز نے کانپتی آواز میں جواب دیا
ہم... ہم سچ میں نہیں جانتے۔"
کل رات بائی وہ پر بماری وین خراب ہو گئی تھی۔
رستہ پوچھتے پوچھتے
یہ راستہ خود ہی سامنے آگیا۔
"جیسے... جیسے کسی نے ہمیں بلایا ہو۔

باشم کی ریڈھ کی بڈی میں ایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔
یہی الفاظ تقریباً بر نئے آنے والے نے کہے تھے
"جیسے کسی نے ہمیں بلایا ہو۔"

مہک نے بات جاری رکھی
ہمیں لگا شاید یہ کوئی پرانا گاؤں یے۔"
لیکن جیسے بی بم نے ٹرک اندر لایا
...پیچھے سڑک
!"سڑک ہی غائب ہو گئی"

آمنہ کی نظریں اردگرد کی ٹوٹی عمارتوں پر دوڑتی رہیں۔
یہ جگہ... میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔"
...بر رات ایک ہی خواب
!"یہی درخت، یہی دیواریں۔"

اس لمحے

— دھند کے اندر سے ایک عجیب سی بو آئی
جلتی بوئی بڈیوں اور نم لکڑی کا ملا جلا ذائقہ۔
علی نے ماں کا باتھ پکڑ کر سہی لہجے میں کہا
”امی... کوئی بمیں دیکھ رہا ہے۔“

باشم نے چونک کر پیچھے دیکھا۔
دور ایک بوسیدہ مکان کے شکستہ کھڑکی سے
دو نیلی آنکھیں
مدھم روشنی میں چمک رہی تھیں۔
یہیں وہ آنکھیں تھیں
جنہیں وہ پچھلی رات اپنے خواب میں دیکھ چکا تھا۔

کریم چاچا نے فوراً لالٹین اونچی کر کے کہا
سب اندر چلو۔
”سورج ڈھلنے سے پہلے تمہیں سب کچھ سمجھانا ہوگا۔

فراز بچکچایا
”لیکن بمارا ٹرک“

کریم چاچا کی آواز گرج دار بو گئی
سامان چھوڑ دو۔
”! زندگی لے کر چلنا زیادہ ضروری ہے

مرک نے علی کو اٹھایا
اور سب باشم کے پیچھے پیچھے
کریم چاچا کے مکان میں داخل ہو گئے۔

اندر کی پہلی گفتگو

کمرے میں پہنچتے ہی
کریم چاچا نے دروازہ اندر سے بند کیا
اور ٹوٹی صوفی پر بیٹھ کر کہا
، تم لوگ اب بمارے قیدی نہیں“
بلکہ اسی قید کے ساتھی ہو۔
...یہاں سے کوئی بھی
”اپنی مرضی سے نہیں آیا۔

فراز نے گھبرا کر پوچھا
”مگر کیوں؟“
”یہ جگہ آخریے کیا؟“

کریم چاچا کی آنکھوں میں
صدیوں پرانی تہکن تھی۔

انہوں نے گھردا سانس لے کر کہا
یہ... ایک جال ہے۔"

ایک ایسی جگہ جو اپنے شکار کو
اس کی سب سے پیاری یاد کے بھانے کھینچتی ہے۔
اور جب وہ اندر آجائے
"راستہ خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔

آمنہ نے بلکہ مسکرات کے ساتھ کہا
"پھر تو تم سب پہلے سے مرے ہوئے ہیں۔"

کریم چاچا نے جواب دیا
ابھی نہیں۔"

لیکن اگر تم نے رات کے قوانین توڑے
تو یہ مخلوق تمہیں اندر سے چیر ڈالے گی۔

اندھیری گلی سے ایک پکار

گفتگو ابھی جاری تھی
کہ باہر گلی سے ایک دھیمی بنسی گونجی۔
یہ بنسی ایسی تھی
جیسے کسی بھی کی پہلی بنسی اور
مردار کی آخری چیخ کو ایک ساتھ ریکارڈ کر دیا گیا ہو۔

علی کانپتے ہوئے کھڑکی کے قریب گیا۔
دهند کے پار
کچھ لمبے کے لیے
ایک لمبا سایہ ابھرا
جس کی انگلیاں زمین تک لٹک رہی تھیں۔

مہک نے فوراً علی کو کھینچ لیا۔
کریم چاچا نے چراغ کی لو اور اونچی کی
اور سب کو خبردار کیا
یہ رات ابھی ختم نہیں ہوئی۔"
یہ نئے شکار کی خوبیوں سونگھ چکے ہیں۔
"اب یہ تمہیں آزمائے آئیں گے۔

باشم نے فراز کی طرف دیکھا۔
اسے پہلی رات کی اپنی آزمائش یاد آگئی
اور اس نے دل بی دل میں فیصلہ کر لیا
کہ آج کی رات
ان نئے لوگوں کو بر حال میں بچائے گا۔

باب 12 - پہلی رات، نئے امتحان

کالونی کی گھری دھنڈ آپستہ آپستہ PIB
رات کے بدن میں سرائیت کر رہی تھی۔
چراغوں کی بلکی زرد روشنی
سیاہ آسمان کے نیچے ایسے جھپک رہی تھی
جیسے کسی بیمار آنکھ کی پتلیاں۔
ہر گلی، بر شکستہ دیوار
اپنے اندر کوئی سانس لیتا راز چھپا رہی تھی۔

باشم نے فراز اور اس کے اپل خانہ کو
کریم چاچا کے کمرے میں سونے کا کھا
مگر خود باپر صحن کے قریب بیٹھ گیا۔
اس کے دل میں ایک عجیب سا خدشہ تھا
جیسے یہ رات عام راتوں سے کہیں زیادہ بھاری ہونے والی ہے۔

پہلی سرگوشی

گھنٹہ بھر بی گزرا تھا کہ
کمرے کی کھڑکی کے نیچے[●]
پتوں کے رگڑتے کی بلکی سی آواز ابھری۔
باشم چونک کر اٹھا۔
اس نے دیکھا کہ
علی خواب کے عالم میں بلکی آوازیں دھے رہا تھا۔

"...بابا... وہ دیکھیں... نانا آگئے"

مہک گھبرا کر علی کے پاس گئی۔
"بیٹا کیا بوا؟"

علی نے نیم وا آنکھوں سے اشارہ کیا
نانا بابر کھڑے بیں۔
"کہہ رہے بیں دروازہ کھولو۔"

مہک کے چہرے پر خون اتر گیا۔
علی کا نانا پچھلے سال دل کے دورے سے انتقال کر چکا تھا۔

کھڑکی کے پار دھنڈ میں ایک دھنڈلی سی شبیہ
 واضح ہونے لگی۔
ایک سفید شلوار قمیض میں ملبوس
بوڑھا شخص
چہرے پر مہربان مسکراپٹ۔
بلکل علی کے نانا جیسا۔

"...مہک بیٹیں... دروازہ کھولو"
"...میں علی کو لینے آیا ہوں"

یہ آواز اتنی حقیقی تھی
کہ مہک کے آنسو نکل پڑے۔
وہ لڑکہڑاٹے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔

باشم کی مداخلت

باشم نے تیزی سے مہک کا باٹھ پکڑ لیا۔
"یہ تمہارے نانا نہیں"
"یہ وبی بیں... جو برا بار نیا روپ لیتے بیں

مہک نے روتے بوئے کہا
"الیکن یہ... یہ تو ان ہی کی آواز یہ"

باشم نے سخت لہجے میں کہا
"یہ آواز تمہارے دل کے اندر یہ"
"یہ تمہیں قائل کرنے کی چال یہ

اسی لمھے کھڑکی کے شیشے پر
بوڑھے شخص نے دھیمی مسکراپٹ کے ساتھ
اپنی انگلی پھیری۔
انگلی کے پیچھے
خون کی ایک سرخ لکیر بن گئی۔
لکیر کے آخر میں
ایک لفظ ابھرا
آؤ۔"

مہک کے ہونٹ پر اختیار بلنے لگے
لیکن باشم نے بلند آواز میں اذان دینا شروع کر دی۔

"الله اکبر... الله اکبر"

جیسے ہی اذان کی صدا گونجی
بوڑھا شخص لمھے بھر کے لیے ٹھہٹھکا
پھر اس کا چہرہ آبستہ آبستہ
گھلنے لگا۔
آنکھوں کی جگہ گھری کھوکھلی سیاہ گڑھے بن گئے۔
چند لمحوں میں وہ دھند میں تحلیل ہو گیا۔

فراز کی آزمائش

بوا ابھی سنبھلی بھی نہ تھی
کہ دوسرا طرف کے دروازے سے
ایک مانوس قہقہہ گونجا۔
یہ آواز فراز کے دل کو چیر گئی۔

"...فراز... دروازہ کھولو"
...میں ہوں زارا... تمہاری پہلی محبت
"یاد یے وعدہ؟"

باشم نے چونک کر فراز کی طرف دیکھا۔
فراز کی آنکھوں میں
کئی پرانے زخم جاگ اٹھے۔
وہ لڑکھڑاٹا بوا دروازے کے قریب گیا۔

"...یہ ممکن نہیں"
اس کے لب کپکیا رے تھے۔
"...زارا کو مرے بوئی... دس سال ہو گئے"

آواز پھر گونجی،
اب کی بار نرم اور گدار۔

"...فراز... بس ایک لمحے کے لئے آجائے"
"...میں وہیں ہوں جہاں ہم ملتے تھے"

دروازے کے نیچے سے
کسی مہنگے عطر کی خوشبو آئے لگی۔
وہی خوشبو
جو زارا کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات میں تھی۔

فراز کے قدم خود بخود آگے بڑھنے لگے۔

باشم اور کریم چاچا کا مقابلہ 

باشم نے تیزی سے فراز کو پیچھے کھینچا۔
"یہ تمہیں لے جائے گی"

کریم چاچا نے دیوار سے ٹنگا بوا
پرانا تانیے کا چراغ اٹھایا
اور بلند آواز میں آیات پڑھنے لگے۔

دروازہ زوردار دھماکے سے لرزے لگا۔
کھڑکیوں کے شیشے کانپے لگے۔
چراغ کی روشنی ایک دم نیلی ہو گئی۔

پھر بابر سے وہی عورت نما مخلوق
چیخ کے ساتھ بولی
"بمیں مت روکو"
"یہ بمارا حق یے"

یہ الفاظ دیواروں کے اندر تک گونج گئے۔
ایک لمحے کو ایسا لگا
کہ پورا مکان سانس لے رہا ہو۔

کریم چاچا نے سب کو دائٹے میں کھڑا کیا
اور اونچی آواز میں کہا
"سب کے سب سورہ یسین پڑھو"

دھند کی چیخیں
اور تانیے کے چراغ کی نیلی روشنی
ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔
کمرہ تھرہرانے لگا۔

آخر کار اذان فجر کی پہلی صدا بلند ہوئی۔
نیلی روشنی سفید ہو گئی
دروازے کا لرزنا تھم گیا
اور بابر کی دھند پیچھے ہٹنے لگ۔

سب لوگ پسینے میں شرابور
سانسیں بحال کرنے لگے۔
فراز زمین پر گر گیا
اور سسکتے ہوئے بولا
یہ... یہ سب کیسے جانتے ہیں
ہمارے دل کی کمزوریاں؟

کریم چاچا نے سرد آہ بھری
یہی ان کی طاقت ہے۔
یہ مخلوق تمہاری یادوں کو چبا کر
تمہارے خوف میں بدل دیتی ہے۔

باب 13 - رازوں کی کھوج

صبح کی پہلی کرن ایہی پوری طرح
زمین کو چھو بھی نہ پائی تھی
کہ باشم کی آنکھ کھل گئی۔
رات بھر کے خوف نے
اس کی نیند کو بکھیر دیا تھا
لیکن دل کے کسی کونے میں
ایک نیا عزم بھی جاگ اٹھا تھا۔

آج اسے
اس پراسرار کالونی کا راز جانتا تھا۔

 سنسان گلیاں اور خاموش نشانیاں

باشم نے آمنہ کو ساتھ لیا
اور دونوں آبستہ آبستہ

کالونی کے پرانے حصے کی طرف چل پڑے۔
یہ حصہ باقی جگہوں سے
زیادہ خاموش اور خوف زدہ لگ رہا تھا۔
جگہوں کی دیواروں پر
پرانے وقت کی نمی کے داغ
، جھولتی کھڑکیاں
اور زمین پر بکھرئے ٹوٹے برتن
کس گزرے حادثے کی گواہی دے رہے تھے۔

ہر قدم پر
بوا میں بلکی سرگوشیاں سنائی دیتیں
جیسے دیواریں
اپنے اندر چھپے درد کو بیان کر رہی ہوں۔

آمنہ نے دھیمی آواز میں کہا
"یہ جگہ... باقی حصے سے الگ کیوں لگتی ہے؟"

ہاشم نے ارد گرد نظر دوڑائی۔
ایسا لگتا ہے جیسے"
"یہاں وقت بہت پہلے رک چکا ہو۔

پرانی عمارت کی دریافت

کچھ دور چلنے کے بعد
انہیں ایک بوسیدہ عمارت نظر آئی۔
چھت کا آدھا حصہ ٹوٹ چکا تھا
اور لکڑی کے دروازے پر
زنگ آلود قفل آبستہ بل رہا تھا۔

ہاشم نے قفل کو پرکھا۔
یہ بہت پرانا تھا
مگر عجیب بات یہ تھی
کہ بلکی سس ضرب سے ہی ٹوٹ گیا۔

دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا
اندر سے سڑاںد کی تیز مہک نکلی۔

ان دونوں نے کپڑے سے
اپنے منہ ڈھانپ لیے اور اندر داخل ہوئے۔

فرش کے نیچے چھپی تحریریں

عمارت کے اندر اندھیرا ایسا تھا
جیسے روشنی نے کبھی یہاں قدم نہ رکھا ہو۔
ہاشم نے ٹارچ جلائی۔
ٹارچ کی پتلی روشنی میں

زمین پر کچھ عجیب و غریب نقش دکھائی دیے۔
گول دائروں میں بنے
عجیب عالمتی نشانات
اور درمیان میں
پرانے اردو رسم الخط میں
کچھ مٹے مٹے جملے لکھے تھے۔

آمنہ جھک کر پڑھنے لگی:

"جو اس سرزمین پر قدم رکھے"
وہ وقت کے شکنچے میں قید بو جائے۔
یہ در بند بیں
"یہ را بیں یے واپسی بیں۔"

آمنہ کے لب کپکپانے لگے
"ایہ... یہ تو جیسے بمارے حال کی کہانی یے"

باشم نے سنجدگی سے کہا
... یہ سب پہلے بھی کسی کے ساتھ ہوا یہ "۔
... یہ کالونی کوئی عام جگہ نہیں
"یہ شاید ایک جال یے۔"

دیوار پر خون کے دھیے

ٹارچ کی روشنی
جب دیوار کے بائیں حصے پر پڑی
تو آمنہ کی سانس رک گئی۔
دیوار پر پرانے خون کے چھینٹے
اب بھی جمی بوئی شکلوں میں موجود تھے۔
ایسا لگ ریا تھا
جیسے کسی نے باتھ کی انگلیوں سے
یہاں سے باپر نکلنے کی کوشش کی ہو۔

ایک دھنڈلا سا نقشہ
اسی خون سے بنا تھا
جو جنگل کی طرف اشارہ کر ریا تھا۔

باشم نے نقشے کو غور سے دیکھا۔
"یہ راستہ"
شاید وہی یہ جو میں پہلی رات چل ریا تھا۔
"لیکن... یہ جنگل کے اندر کسی اور جگہ لے جا ریا یے۔"

آمنہ کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔
کیا تمہیں لگتا یہ"
... یہی وہ جگہ یے جہاں
"یہ مخلوق پیدا ہوئی؟"

باشم نے سر بلایا۔
یا پھر وہ جگہ
”جہاں یہ سب شروع ہوا تھا۔

● عمارت کا زندہ ہونا

اچانک فرش کے نیچے سے
بلکی بلکی تھپ تھپ کی آواز آئی۔
ایسا لگا جیسے
کوئی نیچے سے دروازہ پیٹ رہا ہو۔

پھر دیواروں سے
کھسپر پھسپر کی آوازیں ابھرنے لگیں
”تم سچ جاننا چاہتے ہو“
”تو قیمت بھی دینی ہوگی“

باشم نے آمنہ کا باتھ مضبوطی سے پکڑا۔
”یہ جگہ ہمیں یہاں روکنا چاہتی ہے۔“
”! ہمیں فوراً نکلنا ہوگا۔“

دروازہ خود بخود بند ہونے لگا۔
باشم نے پوری قوت سے دھکا دیا۔
چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھلا
اور دونوں بھاگنے ہوئے باہر نکل آئے۔

عمارت کے باہر پہنچتے ہی
، ان پر ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا پڑا
مگر پیچھے سے بلکی بلکی ہنسی
ابھی بھی سنائی دے رہی تھی۔

💡 نئی سمجھ

واپس چلتے ہوئے
باشم نے گھری سوچ میں کھا
”یہ مخلوق صرف رات میں نہیں“
یہ دن میں بھی بماری دماغوں میں اتر سکتی ہے۔
”بھی ڈرا کر
بماری کمزوریوں کو طاقت بناتی ہے۔“

آمنہ نے لرزتی آواز میں کھا
”تو کیا ہم“
”اس جنگل کے اندر جانا پڑے گا؟“

باشم نے سخت لہجے میں کھا
”یہاں۔“
”یہی وہ جگہ ہے جہاں

اس کالونی کا سارا راز چھپا ہے۔
جب تک ہم وہاں نہیں جاتے
یہ کھیل ختم نہیں بوگا۔

باب 14 - جنگل کا پہلا قدم

رات کی سیاہی آبستہ آبستہ
پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔
ہوا میں عجیب سی نمی اور بوسیدہ مٹی کی مہک تھی۔
پی آئی بی کالونی کی گلیاں
آج پہلے سے زیادہ خاموش تھیں
گویا ہر اینٹ اور ہر دیوار
کسی آئی والے طوفان کو محسوس کر رہی بو۔

ہاشم نے باقی خاندانوں کے بڑے افراد کو
چھوٹے سے پرانے بال میں جمع کیا۔
چراغ کی مدهم روشنی میں
چہرے زرد اور آنکھیں ڈری بوئی لگ رہی تھیں۔

"ہم نے آج صبح"
"ایک پرانی عمارت میں نشانیاں دیکھیں یہیں
ہاشم نے مدهم مگر مضبوط آواز میں کہا۔
وہ نقشہ جنگل کے اندر کسی جگہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
مجھے لگتا ہے کہ یہیں
اس مخلوق کی شروعات کا راز چھپا ہے۔

بوڑھی سلمی بی بی نے کپکپاتی آواز میں کہا
بیٹا، رات میں جنگل؟"
"یہ تو موت کو دعوت دینے کے متtradف ہے

جاوید نے گھری سانس لے کر کہا
لیکن اگر یہیں واحد راستہ ہے
جس سے ہم یہ قید تور سکتے ہیں
تو ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی ہوگا۔

ہاشم کی آنکھوں میں
وبی عزم جھلک رہا تھا جو
اسے پہلی رات سے زندہ رکھے بوئے تھا۔
ہم گروپ کی صورت میں جائیں گے۔"
کوئی تنہا نہیں بوگا۔
جو بھی ہوگا ہم سب ایک ساتھ سامنا کریں گے۔

آدھی رات کے قریب
سات لوگوں کا قافلہ
کالونی کے زنگ آلوڈ گیٹ کے قریب جمع ہوا۔
باشم نے آگے بڑھ کر
گیٹ کی زنجیر آپستہ آپستہ کھولی۔
چرچراپٹ کی آواز
رات کے سنائے میں
کس نوحے کی طرح گونجی۔

گیٹ کے پار جنگل کا دباؤ
ایک سیاہ سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔
ٹارچ کی روشنی میں
درختوں کے تنے لمبیں، مڈی بؤی انگلیوں کی طرح
آسمان کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔

آمنہ نے بلکی آواز میں کہا
"یہ جگہ... سانس بھی بھاری کر دیتی ہے۔"

باشم نے ٹارچ آگے کی طرف کی۔
سب ایک دوسرا کے قریب ریس۔"
"آواز کم سے کم رکھیں۔

غیر مرئی آنکھیں

جیسے ہی وہ جنگل میں داخل ہوئے
ہوا کا درجہ حرارت بدلتے لگا۔
کبھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا
اچانک تیز سانس جیسی لگتی
کبھی خشک پتے
ایسے چرچراتے
جیسے کوئی ننگے پاؤں پیچھے پیچھے چل رہا ہو۔

جاوید نے سرگوش کی
"یہاں کوئی ہے"

باشم نے فوراً باتھ کے اشارے سے
سب کو خاموش کرایا۔
اس نے ٹارچ ایک جھاڑی کی طرف گھمائی
مگر وہاں صرف ہوا کی بلچل تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھے
دائیں طرف کے درخت سے
ایک بلکی سی ہنسی سنائی دی۔
ایک معصوم، انسانی ہنسی
بلکل بچوں جیسی۔

آمنہ نے باشم کا بازو پکڑ لیا۔
"یہ... وہی ہے نا؟"

باشم کی آنکھوں میں
پہچان کی ایک چمک اتر آئی۔
بان... یہ وہی مخلوق ہے۔"
"یہ بمیں بہکانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

پرانا لیمپ

چلتے چلتے
انہیں ایک ٹوٹی بوئی پگڈنڈی ملی۔
پگڈنڈی کے بیچوں بیچ
ایک زنگ آلود لیمپ جل رہا تھا۔
لیمپ کی لو
بوا کے باوجود مستحکم تھی
جیسے کس پوشیدہ باتھ نے
اسے جلتا رکھا بو۔

سلمی بی بی کے لب کپکپا گئے۔
"یہ تو... یہ تو کالونی کے دروازے والا لیمپ ہے"

باشم نے قریب جا کر لیمپ کو دیکھا۔
یہ وہی ڈیزاں تھا
مگر کیسے ممکن تھا کہ
یہ لیمپ یہاں آجائے؟

لیمپ کے نیچے
ایک چھوٹا سا کاغذ پڑا تھا۔
باشم نے ٹارچ کی روشنی ڈالی
اور پڑھا:

واپسی کا ہر راستہ"
اُسی طرف لے جاتا ہے
"جہاں سے تم بھاگتے ہو۔"

اچانک لیمپ کی روشنی
لمحے بھر میں بجه گئی۔
اندھیرا ایسا چھایا
کہ ٹارچ کی روشنی بھی
کمزور محسوس ہونے لگی۔

پہلا حملہ

پتوں کی سرسراہٹ تیز بوئی۔
پھر ایک لمبی، خوفناک چیخ

— جنگل میں گونجی
ایس آواز
جیسے دھات کو کھینچ کر توڑا جا رہا ہو۔

، گروپ میں شامل ایک نوجوان، ریحان
پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔
اچانک کس نے اس کے کندھے کو
اتنی زور سے پکڑا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔

ٹارچ کی روشنی جیسے ہی
ریحان کے پیچھے بڑی
سب کے دل دہل گئے۔

— ایک انسان جیسی شبیہ
بالکل ریحان کے مرحوم بھائی جیسی شکل
اس کے اوپر جہکی بؤی تھی۔
لیکن اگلے ہی لمحے
، وہ چہرہ پگھلنے لگا
آنکھیں سیاہ سوراخوں میں بدل گئیں
اور منہ میں لمبے نوکیلے دانت نکل آئے۔

باشم نے فوراً ریحان کو کھینچ کر پیچھے کیا
اور لکڑی کی موٹی شاخ سے
مخلوق پر وار کیا۔
مخلوق ایک دل دبلا دینے والی چیخ مار کر
پیچھے بٹی اور
اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

ریحان کی سانسیں یے قابو تھیں۔
.... یہ میرا بھائی تھا"
"! لیکن ... نہیں تھا

باشم نے سخت لمحے میں کہا
یہ تمہارے خوف کا استعمال کرتے ہیں۔"
یہ کوئی انسان نہیں۔
"! سب محتاط رہیں

● جنگل کے دل کی طرف

حملے کے بعد بھی
قافلہ رکنے کو تیار نہ تھا۔
اب بر قدم
مزید بھاری مگر پُر عزم تھا۔

آمنہ نے آبستہ کہا
" یہ جنگل... بر یاد کو"

بتهیار بنا لیتا ہے۔
"ہمیں جلدی کرنی ہوگی۔

باشم نے نقشہ دوبارہ دیکھا۔
ہم قریب ہیں۔"

جنگل کے دل تک پہنچ کر
"ہمیں اصل راز ملے گا۔

پیچھے سے

پھر وہ بچوں جیسی بنسی گونجی
مگر اس بار
ساتھ ایک دھیمی سرگوشی بھی تھی
"تمہارا وقت ختم ہونے والا ہے"

باب 15 - محراب کے پار

ہوا میں سردی ایسی رچ گئی تھی
جیسے کسی نے اچانک پورے جنگل کو
برفانی قبر میں بدل دیا ہو۔

پتھریلی محراب کے نیچے¹
اندھیرا ایک گھنے بادل کی طرح پھیلا ہوا تھا
جس کے اندر جھانکنا
گویا اپنے ہی خوف میں اترنے کے برابر تھا۔

باشم نے سب کو رکنے کا اشارہ کیا۔
یہیں سے اصل سفر شروع ہوتا ہے۔"
یاد رکھو، جو کچھ بھی دکھائی دے
"کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا۔

ٹارچ کی روشنی
محراب کی دیواروں پر پڑی
تو پتھروں پر کھدائی ہوئی تحریریں
—چمکنے لگیں
ایسی تحریریں جو
کس پرانی تہذیب کی بگڑی ہوئی اردو لگتی تھیں۔

آمنہ نے کانپتی آواز میں پڑھنے کی کوشش کی
"خوف تمہارا پہلا دروازہ ہے"
، قربانی تمہاری چابی
"اور سچ تمہاری سزا۔"

جاوید نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔
"یہ... سزا لکھا ہے"

باشم نے گھری سانس لی۔
سچ تک پہنچنے کے لیے"
بمیں کچھ کھونا پڑھے گا۔

● سیاہ سرنگ کا آغاز

محراب کے پار
ایک لمبی اور تنگ سرنگ تھی۔
سرنگ کی چھت سے
پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے
جو نیچے زمین پر پڑ کر
کھوکھلی گونج پیدا کرتے۔
بر گونج
ایسا محسوس بوتا
جیسے کسی کا نام پکار رہی بو۔

ریحان نے لرزتی آواز میں کہا
"یہ سرنگ... جیتنی جاگتی لگتی یہ۔"

سلمی بی بی نے اپنا دوپٹہ سختی سے لپیٹا۔
بیٹا، پیچھے چلیں؟"
"یہ جگہ تو موت سے بھی بدتر یہ۔"

باشم نے نرمی سے مگر مضبوط لہجے میں کہا
یہی وہ راستہ یہ۔"
"جس سے ہم سب واپس اپنے گھروں تک پہنچ سکتے ہیں۔

دیواروں کے عکس

چلتے چلتے
دیواروں پر عجیب و غریب عکس ابھرنے لگے۔
ایک جگہ باشم نے
اپنے بچپن کا کمرہ دیکھا
، وہی پرانی لکڑی کی الماری
مان کی آواز کا دھنڈلا سا عکس۔
اگلے بی لمھے
یہ سب غائب ہو کر
سیاہ دھبیوں میں بدل گیا۔

آمنہ نے اپنی مرحوم مان کا چہرہ دیکھا۔
، چہرہ مسکرا رہا تھا
لیکن آنکھوں میں
سیاہ خالی گڑھے تھے۔
اس نے چیخ کر آنکھیں بند کر لیں۔

جاوید نے سر جھٹک کر کہا
یہ مخلوق بماری یادوں سے کھیل رہی ہے۔
"یہ بمیں توڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

باشم نے سخت لہجے میں کہا
سب اپنی آنکھوں پر قابو رکھو۔
"! یہ سب دھوکہ ہے"

پہلا حقیقی سامنا ⚡

سرنگ کے آخری حصے میں
اچانک ایک سرسرابٹ گونجی
ایسی جیسے کوئی سانپ
پتھروں پر رینگ رہا ہے۔

ٹارچ کی روشنی میں
آبستہ آبستہ ایک شبیہ ابھری۔
یہ شبیہ انسانی تھی
لیکن جسم کی حرکات
ایسی جیسے بدیاں اندر سے مڑ رہی ہوں۔

یہ مخلوق لمبی لمبی ٹانگوں پر
سرنگ کی چھت سے چپکی بوئی
اللہ لٹک کر آگے بڑھ رہی تھی۔
آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ
اور منہ سے نکلتی ہلکی ہلکی ہنسی
بلکل انسانی مگر خالی۔

ریحان پیچھے ہٹا۔
"! یہ... یہ اصل شکل ہے"

مخلوق نے کھینچی بوئی آواز میں کہا
تمہیں لگتا ہے"
سچائی تمہیں بچا لے گی؟
"...یہاں پر سج موت سے جنم لیتا ہے

باشم نے لکڑی کی مشعل کو مضبوطی سے پکڑا
اور ایک قدم آگے بڑھا۔
بم موت سے ڈرنے نہیں آئے۔
"! بم یہاں آزادی لینے آئے ہیں

مخلوق نے ایک دل دبلا دینے والی چیخ ماری
اور پوری رفتار سے ان کی طرف لپکی۔

جنگ کی شروعات 💯

باشم نے مشعل آگے کی
اور پورے زور سے مخلوق کے چہرے پر دے ماری۔
مشعل کی تپش سے
مخلوق پیچھے ہٹی
لیکن اس کی چیخ سے
پوری سرنگ لرزئے لگی۔

دیواروں میں چھپی
چھوٹی چھوٹی شبیہیں
اچانک ظاہر ہوئیں
—ہر شبیہ مختلف انسان کی شکل میں
، کسی کی کھوئی ہوئی ماں
، کسی کا مردہ بھائی
کسی کا بچپن کا دوست۔

یہ سب شبیہیں
، قافلے کے ارد گرد گھومنے لگیں
ان کے کانوں میں
: دھیمی سرگوشیاں کرنے لگیں
... بمارے ساتھ آ جاؤ"
" ... یہ درد ختم ہو جائے گا

سلمی بی بی رو پڑیں۔
... یہ میری بیٹی کی آواز ہے"
"! یہ مجھے بلا رہی ہے

: باشم نے بلند آواز میں کہا
" یہ سب جھوٹ ہے"
، کوئی دروازہ مت کھولو
" کوئی پیچھے نہ مڑو"

● سرنگ کے آخر کی جھلک

شدید مزاحمت کے بعد
مخلوق اچانک دھوئیں کے بادل میں
غائب ہو گئی۔
اس کے ساتھ ہی
سرنگ کے اختتام پر
ایک ہلکی سی نیلی روشنی ابھری۔

یہ روشنی
کسی بڑھے بال کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔
بال کے بیچوں بیچ
ایک قدیم پتھریلا تخت تھا
جس پر پرانی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔

باشم نے گھری سانس لی۔
”...یہی لے“
”یہی وہ جگہ لے“
”جہاں اس کالونی کا راز دفن ہے۔“

باب 16 - تخت کا راز

ہال میں داخل ہوتے ہیں
سب کے قدم خود بخود رک گئے۔
یہ جگہ کسی پرانے مندر
کسی جیل، اور کسی قبر
تینوں کا عجیب امتزاج لگ رہی تھی۔
چھت سے لٹکتی زنجیریں
بلکی بلکی بلچل کے ساتھ
ایسی آوازیں پیدا کر رہی تھیں
جو دل کے اندر تک گونجتی تھیں
جیسے ہر دھات کا ٹکراؤ
کسی ان دیکھی روح کی چیخ ہو۔

ہال کے بیچوں بیچ
وہ پتھریلا تخت ایستادہ تھا۔
تخت کے گرد زمین پر
ایک گول دائیہ بنا تھا
جس پر خون کی پرانی دھاریاں
اب بھی کالی لکیروں کی صورت میں
جمی ہوئی تھیں۔
دیواروں پر کندہ نقوش
اب پہلے سے زیادہ واضح تھے
اور ہر نشان
کسی پرانی قربانی کا منظر دکھا رہا تھا۔

● تخت کے قریب

باشم نے سب کو پیچھے رینے کا اشارہ دیا
اور آپستہ آپستہ تخت کے قریب بڑھا۔
ہر قدم کے ساتھ
ہال کا درجہ حرارت کم ہوتا جا رہا تھا۔
سانسیں سفید دھوئیں کی صورت میں
ہوا میں معلق ہو رہی تھیں۔

اچانک تخت کے نیچے سے
بلکی سی کھڑکھڑا بٹ ابھری۔
یون لگا جیسے
کئی باٹھ پتھر کے نیچے رینگ رہے ہوں۔

آمنہ نے خوفزدہ آواز میں کہا
"باشم... یہ مت کرو"

باشم نے پیچھے دیکھے بغیر جواب دیا
یہس وہ مرکز ہے"

جہاں سے یہ سب شروع ہوا تھا۔
اگر ہم نے یہاں کا راز جان لیا
تو شاید یہ لعنت ختم ہو جائے۔

ماضی کی جھلکیاں

تخت کے اوپر
اچانک ایک دھنڈلا سا عکس ابھرا۔
یہ عکس آپستہ آپستہ
ایک قصے کی شکل لینے لگا۔

سب نے دیکھا
کئی صدیوں پہلے
یہ جگہ ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا
جہاں لوگ
زمین کی زرخیزی کے لیے
انسانی قربانیاں دیتے تھے۔
بر سال
بارش کی دعا کے وقت
ایک خاندان کا سربراہ
اپنے پیارے کو
تخت کے دائٹے میں کھڑا کرتا
اور "پر迪سی محافظ" کے نام پر
قربانی دیتا۔

لیکن ایک سال
قربانی کے لیے منتخب لگی
قبیلے کی سردار کی اپنی بیٹی تھی۔
سردار نے رسم توڑ دی
قربانی دینے سے انکار کیا۔
اسی دن
آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے
زمین پھٹ گئی
اور قبیلے کے سب لوگ
اندھیروں کی مخلوقات میں بدل گئے۔

یہیں مخلوقات
وقت کے ساتھ
اپنی شکل بدل کر

—انسانی بستیوں میں گھومنے لگیں
وبن جو اب
پ آئی بی کالونی کے نام سے جانی جاتی ہے۔

تخت کی زنجیریں

اچانک تخت کی زنجیریں
خود بخود ہلنے لگیں۔
بر زنجیر

ایسی آواز پیدا کر رہی تھی
جیسے کسی انسان کی بدی ٹوٹ رہی بو۔
ہال کے کونے میں کھڑی سلمی بی بی نے
اپنے کان بند کر لیے۔

—جاوید نے ٹارج کی روشنی میں دیکھا
زنجریوں کے سروں پر
چھوٹے چھوٹے انسانی باتھوں جیسے نشان تھے
ایسے جیسے
بزاروں لوگوں نے
اپنے خون سے ان زنجیریوں کو چھووا بو۔

ریحان نے دھیمی آواز میں کہا
”یہ تخت... زندہ ہے۔“
”یہ اپنی اگلی قربانی مانگ رہا ہے۔“

مخلوق کی واپسی

اس لمحے
ہال کی فضا میں
ایک زوردار دھماکہ گونجا۔
نیلی روشنی اچانک سیاہ ہو گئی
اور وہی لمبی لمبی ٹانگوں والی
انسان نما مخلوق
تخت کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔

لیکن اس بار
وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک تھی
اس کی آنکھوں سے
کالا دھواں نکل رہا تھا
اور اس کا جسم
ایسے مڑ رہا تھا
جیسے کسی نے
اندر کی ہڈی کو توڑ کر
نئے زاویے پر جوڑ دیا ہو۔

مخلوق نے کھینچی بوئی آواز میں کہا
قربانی کے بغیر"
یہ دائمہ مکمل نہیں ہوگا۔
...اپنے میں سے ایک دو
ورنہ سب کے جسم
"میری خوراک بن جائیں گے۔

فیصلہ کا لمحہ

ہاشم نے تیزی سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔
ان سب کے چہرے
خوف اور پسینے سے بھیگے بوئے تھے۔
جاوید کی آنکھوں میں
بلکہ سب بغاوت جھلک رہی تھی۔
ریحان ہونٹ کاٹ رہا تھا۔
سلمی بی بی کے آنسو رک نہیں رہ تھے۔

ہاشم نے ایک لمحے کے لیے
اپنی جیب سے پرانی مشعل نکالی
جو اب تقریباً بجهہ چکی تھی۔
یہ تخت طاقت چابتا ہے"
لیکن ہمیں یہ طاقت نہیں دینی۔
"ہم سب مل کر لڑیں گے۔

مخلوق نے ایک کڑکتی چیخ ماری
اور تخت کی زنجیروں کو کھینچ کر
ہوا میں اچھاں دیا۔
، زنجیریں آگ کے شعلوں میں بدل گئیں
اور بال کا بر کونا
گھپ اندهیرے میں ڈوب گیا۔

باب 17 - قربانی یا آزادی؟

بال اب مکمل اندهیرے میں ڈوب چکا تھا۔
صرف تخت کے اوپر لگی سرخ آنکھیں
جلتی بوئی انگاروں کی طرح
بار بار جھپک رہی تھیں۔
بر جھپک کے ساتھ
، بال کے پتھر لرزتے
، زنجیریں بجتی
اور فرش کے نیچے سے
ایسا شور آتا
جیسے بزاروں لاشیں
ایک ساتھ کروٹ لے رہی ہوں۔

باشم نے سانس اندر کھینچی
اور چیخ کر کہا
"سب ایک دائٹے میں آ جاؤ"

جاوید نے تیزی سے
ریحان اور سلمی بی بی کا باتھ پکڑا۔
آمنہ نے خوف کے مارے
اپنے ہونٹ کاٹ لیے
ان سب نے ایک دوسرے کے باتھ مضبوط سے تھام لیے
جیسے یہ گرفت
ان کے وجود کی آخری ڈور بو۔

زنگیروں کی گرفت

خت کی زنجیریں اب
زندہ سانپوں کی طرح
ان کے پیروں کے گرد لپٹ ری تھیں۔
ہر زنجیر میں
ایسا زبر بھرا تھا
جس سے جلد جلنے لگتی۔
ریحان نے کراتی ہوئی کہا
"یہ... ہمیں اندر کھینچ ری بیں"

باشم نے اپنے کندھے سے
ایک بھاری پتھر توڑ کر
زنگیر پر مارا۔
چنگاریوں کی ایک بارش اٹھی
لیکن زنجیر ٹوٹی نہیں۔

مخلوق کی کڑکتی ہوئی آواز
بال میں گونجی
ایک جان دو"
یا سب کی جانیں لے لو۔
"یہ قانون یے

انتخاب کا بوجہ

خاموشی چھا گئی۔
سب کے چہروں پر
درد اور سوال گھرے ہوئے جا رہے تھے۔

سلمی بی بی کی آنکھوں سے آنسو بھے نکلے
...میں... میں تیار ہوں"
...میری زندگی ویسے بھی ختم ہو چکی ہے

"...میرا بیٹا... وہ
وہ روتے روتے رک گئی۔

ریحان نے فوراً کہا
!نہیں"

یہ قانون انہی عفريتوں نے بنایا ہے
!"بم قربانی نہیں دین گے

جاوید نے دانت پیستے بؤئے کہا
لیکن اگر ہم نے انکار کیا"
"تو یہ سب کو چیرپھاڑ دین گے

ہاشم نے سب کی طرف دیکھا۔
اس کی آنکھوں میں
ڈھیٹ عزم چمک رہا تھا۔
یہ تخت صرف خوف سے جیتا ہے۔
قانون تب تک قائم رہتا ہے
جب تک ہم اس پر یقین کرتے ہیں۔
ہم نہیں مانیں گے۔
"ہم اس کے دائرے کو توڑیں گے۔

آخری مشعل 🔥

ہاشم نے اپنی جیب سے
وبی پرانی مشعل نکالی
جو اس نے پہلی رات سنہالی تھی۔
اب اس میں صرف
تھوڑا سا تیل باقی تھا۔

"یہ مشعل"
ہاشم نے آہستہ سے کہا
"اس تخت کے آغاز کو جلانے کے لیے کافی ہے۔"

اس نے جاوید اور ریحان کو اشارہ کیا۔
تینوں نے ایک ساتھ
مشعل کو تخت کے نیچے رکھے
خون آلود پتھروں پر رکڑا۔
—چنگاریاں اٹھیں
، پہلے نیلی
، پھر سنہدی
پھر اچانک سرخ شعلہ بھڑک اٹھا۔

بال کی فضا
ایک دم لرزے لگ۔
زنجیریں تیزی سے بلنے لگیں

اور تخت کے اندر سے
کئی بھدی چیخیں گونجئے لگیں۔

● مخلوق کی چیخ

وہی سرخ آنکھوں والی مخلوق
تخت کے پیچھے سے لپک کر سامنے آئی۔
اب اس کا جسم
پکھلتے تار کی طرح بہہ رہا تھا۔
اس کی آنکھوں سے
کالا دھوائیں نکل کر
چھت سے ٹکرا رہا تھا۔

"تم نے قانون توڑ دیا"
مخلوق کی آواز
زمین کے دل سے اٹھتی گرج کی طرح تھی۔

بامش نے چیخ کر کہا
"یہ زمین اب آزاد ہے"

مشعل کا شعلہ
تخت کے پتھروں میں سرایت کر گیا۔
چند ہیں لمحوں میں
پوری زمین میں دراڑیں پڑ گئیں۔
کالی دھوئیں کی دیواریں
ہال سے باہر نکلنے لگیں۔

—مخلوق نے ایک آخری چیخ ماری
ایسی چیخ
جس سے بر کان کا پردہ پھٹنے لگا۔
پھر اس کا جسم
بزاروں ذرات میں بکھر کر
ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

صبح کا آغاز ☀

چند لمحوں بعد
ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔
زنگیریں ٹوٹ کر فرش پر گر چکی تھیں۔
تخت کا پتھر
راکھ بن چکا تھا۔

بامش نے سانس بھرتے ہوئے
اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

، سب کے چہرے پسینے اور آنسوؤں سے تر تھے
مگر آنکھوں میں روشنی تھی۔

، دور کریں

، پہلی بار

کئی مہینوں بعد

پرندوں کی چھپاٹ سنائی دی۔

— یہ سورج کی پہلی کرن تھی

آزادی کی علامت۔

؛ ریحان نے کانپتی آواز میں کہا

"کیا... کیا یہ ختم ہو گیا؟"

؛ باشم نے آبستہ سے جواب دیا

"...بان"

اب یہ جگہ آزاد ہے۔

— یہ تخت دوبارہ کبھی نہیں جاگے گا۔

باب 18 - واپسی کا سفر

بال سے باپر قدم رکھتے ہی سب نے ایک ساتھ گمرا سانس لیا۔

ہوا میں اب وہی سڑاںد نہیں تھیں جو بر وقت گلے کو جکڑ لیتی تھیں۔

— مٹی کی بلکن خوشبو، سنبھری دھوپ کی کرنیں

یہ سب دیکھ کر سب کے چہرے پر پہلی بار مسکراٹ آئیں۔

باشم نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"یہ... یہ واقعی ختم ہو گیا؟"

ریحان کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

؛ سب کے دلوں میں ایک بن احساس تھا

آزادی۔

کھلا بوا دروازہ

پی آئی بن کالونی کا پرانا مرکزی دروازہ

اب آدھا کھلا بوا تھا۔

جاوید نے بلکا سا دھکا دیا تو دروازہ چرچراتے ہوئے مکمل کھل گیا۔

— سامنے ایک جنگل تھا

سبز درخت، پرندوں کی آوازیں، نرم دھوپ۔

یہ منظر ان کے خوابوں جیسا تھا۔

چلو... گھر چلتے ہیں۔ "باشم نے آبستہ کہا۔"

سب آگے بڑھنے لگے

... راستے میں گلبیں پھولوں کی خوشبو، پرندوں کی چھپاٹ

ایک لمبھ کو لگا جیسے وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہوں۔

لیکن جتنا وہ چلتے گئے
راستہ عجیب طرح سے **دائٹے** میں مُڑے لگا۔
ایک گھنٹے، دو گھنٹے، تین گھنٹے
ہر طرف ایک بی جیسے درخت، ایک جیسی خوشبو
اور آخر کار

وبی کالونی

سلمی بی بی نے سب سے پہلے دیکھا
”ایہ... یہ تو بمارا گیٹ یے“
سب کے قدم رک گئے۔
سامنے وہی زنگ آلود آپنی گیٹ
وبی دیواریں، وہی ٹوٹا بوا بلب۔

ریحان چیخ اٹھا
”ایہ ناممکن یے! ہم تو باہر نکل گئے تھے“

باشم کے دل میں بجلی کوند گئی۔
انہوں نے گیٹ کی زنجیر کو پرکھا
اب یہ پہلے سے بھی زیادہ ٹھنڈی اور بھاری تھی
جیسے کسی نے دروازہ بند کر دیا بو۔

خوف کی پہلی آبٹ

اچانک زمین کے نیچے سے بلکی بلکی دھمک سنائی دینے لگی۔
پہلے لگا شاید ان کے قدموں کی بازگشت بو
پھر دھمک کے ساتھ ایک مدهم سرگوشی گونجی
”...واپس آگئے... خوش آمدید“

آواز نہ مرد کی تھی، نہ عورت کی
بلکہ کسی گھر کے کھوکھلے غار کی۔

جاوید نے کانپتے بؤے کہا
ہم... ہم کبھی باہر نہیں نکلے۔
”ایہ سب بس ایک... جال تھا

نئی مخلوقات کی آمد

اگلے ہی لمحے دھنڈ دوبارہ گھری ہونے لگی۔
درختوں کے پیچھے سے ایسے سائے نکلے
جنہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
یہ مخلوقات پرانی نہیں تھیں
ان کے جسم انسانی مگر سر جانوروں جیسے
آنکھیں سفید مگر اندر سرخ روشنی۔
ان کے قدم زمین پر پڑتے نہیں تھے
بلکہ فضا میں تیرتے بؤے قریب آ رہے تھے۔

ریحان نے بلکی آواز میں کہا
یہ... پہلے والے نہیں ہیں۔
”...یہ کچھ اور ہیں

پہلا وار

عفان کا چھوٹا بچہ جوش میں آگے بڑھا
”امی، یہ لوگ ہمیں کچھ نہیں کریں گے، یہ تو“
جملہ مکمل ہونے سے پہلے
ایک مخلوق جھپٹی اور بچے کو
ہوا میں کھینچ کر اندر ہیرے میں لے گئی۔
بس ایک چیخ
اور خاموش۔

سب کے دلوں کی دھڑکن رُک گئی۔
سلمن بی بی زمین پر گر کر چیخنے لگیں۔
باشم نے سب کو پیچھے دھکیلا
”سب اندر! گیٹ کے اندر واپس جاؤ“

مگر اندر جانا اب آسان نہ تھا۔
گیٹ خود بخود آبستہ بند بو رہا تھا۔
زنگیریں کھڑکھڑا ریں تھیں
جیسے کسی نے انہیں قید کر لیا ہو۔

افراتفری

ہر کوئی جان بچانے کے لئے دوڑ رہا تھا۔
کچھ لوگ دیواریں پھلانگنے لگے
مگر دیوار کی اینٹیں باتھ لگتے ہیں
زندہ گوشت کی طرح حرکت کرنے لگیں۔
ان کے اندر سے چپچپ سیاہ رطوبت بھنے لگی
اور جنہوں نے چھوٹے کی کوشش کی
وہیں چپک کر رہ گئی۔

باشم کی چیخ

باشم نے آسمان کی طرف دیکھ کر گرجدار آواز میں کہا
”یہ جگہ ہمیں کبھی جانے نہیں دے گی“
”ایہ ایک زندہ قید خانہ ہے“

اگے کے باب میں